دو سو تیس مسائل شرعیہ کے جوابات کا بے بہا خزانہ

مکمل

احکام شریعت

حصہ اول

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

سوانح حیات امام مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ مجدد ماتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تیرھویں صدی کی واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہوکر اسلام کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھاگئی اور چوھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں ان کو حق وصداقت کا منارہ نور سمجھا جانے لگا۔ ملت اسلامیہ کو اس اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔

پیدائش

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ، مطابق ۱۴ ر جون ۱۸۵۶ء ہفتہ کے روز ہندوستان کے مشہور شہر بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کا پیدائشی اسم مبارک محمد رکھا گیا۔

علمی بصیرت

مولانا سید سلمان اشرف صاحب بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لئے حاضر خدمت ہوئے کہ ایشیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی وفلسفہ میں فرسٹ کلاس کی ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے، اور فیثا غورثی فلسفہ کشش ان پر چھایا ہوا تھا۔ تو اعلیٰ حضرت نے عصر ومغرب کی درمیانی مختصر مدت میں مسئلہ کا حل بھی قلم بند کرادیا فلسفہ کشش کی کھینچ تان کو بھی قلمبند فرمادیا جو رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا کوئی تھیوریوں والا درس دے رہا ہے یا اس ملک کا کوئی حقیقت آشنا ان کو سبق پڑھا رہا ہے۔ انہوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا کہ ”اپنے ملک میں جب معقولات کا ایسا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضائع کیا۔“

اس ایک مثال سے آپ کے تبحر علم اور علمی بصیرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علوم عقلیہ

یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنی علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کر ان کو شاد شاد رخصت فرمادیتے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ ماہرین فن نجوم آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا یہ دشواری اور اس کا حل پہلے سے فرمائے ہوئے تھے۔

محدث پھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ''ایک بار صدرا کہ مایہ ناز (مقامات) شکل حماری اور شکل عروسی کے بارے میں مجھ سے سوال فرما کر جب کتاب کی (وہی کیفیت؟) دیکھی تو اپنی تحقیق بیان فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ حماری کی حماریت بے پردہ ہوگئی اور عروسی کا عرس ختم ہوگیا۔ مسئلہ بخت واتفاق شمس بازغہ کا سرمایہ تفلف ہے۔ مگر اس بارے میں اعلیٰ حضرت کے ارشادات جب مجھ کو ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود اگر آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے۔ اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو بھی صحیح سلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے اگر آپ وجود فلک کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین وآسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں **کل فی فلک یسبحون** کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق و فلسفہ وریاضی والے اپنی راہ کے کسی موڑ پر کج رفتار ہوجاتے ہیں۔

افتاء کی خداداد عظیم صلاحیت

عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرمادیتے اور یہ صاحبان دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے۔ پھر عصر و مغرب کی درمیانی مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتاء پھر فتویٰ سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے۔ اسی وقت مصنفین بھی اپنی تصنیف دکھاتے اور زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا چاہیں کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں۔ اتنی آوازوں میں اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا جوابات کی تصحیح وتصدیق اور اصلاح، مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط، زبانی سوالات کے تشفی بخش جوابات عطا ہورہے ہیں اور فلسفیوں کی اس خبط **لا یصدر عن الواحد الا الواحد** (ایک ہستی سے ایک وقت میں ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے) کی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامہ سوالات وجوابات میں بڑے بڑے اکابر علم وفن سر تھام کر چپ ہوجاتے ہیں کہ کس کس کی سنیں اور کس کس کی نہ سنیں، وہاں سب کی شنوائی ہوتی تھی اور سب کی اصلاح فرمادی جاتی تھی، یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی تھی اور اس کو درست فرمادیا کرتے تھے۔

حیرت انگیز قوت حافظہ

یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لئے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے۔ اسی وقت فرمادیتے کہ ردالمحتار جلد فلاں کے صفحہ فلاں کی سطر فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ درمختار کے فلاں صفحہ فلاں سطر پر یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد و صفحہ و سطر میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ہندیہ میں خیریہ میں، مبسوط میں، ایک ایک کتاب فقہ کی اصل عبارت بقید صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں۔ ارشاد فرمادیتے۔ اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے ہیں تو صفحہ و سطر و عبارت وہی پاتے ہیں جو زبان اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔ اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھی۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔

حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا، روزانہ دوہرایا ایک ایک دن میں سو سو بار دیکھا، حافظ ہوا محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا۔ حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا ہو سکتا ہے کہ حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو۔ گو ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت قرآنیہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں یہ آیہ کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی بہت نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال اور بالکل محال ہے کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ و سطر کو بتایا جا سکے۔ تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ و غیر متداولہ کے جملہ کو بقید صفحہ و سطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اعلیٰ کرامت کا نمونہ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام کو بیان کرنے کے لئے اب تک ارباب لغت و اصطلاح الفاظ پانے سے عاجز رہے۔

علم قرآن

علم قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمے سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا۔ جو بظاہر ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں روح قرآن ہے۔ اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا نعیم الدین علیہ الرحمتہ نے حاشیہ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دوران شرح میں ایسا کئی بار ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے استعمال کردہ لفظ کے مقام استنباط کی تلاش میں دن پر دن گذرے اور رات پر رات کٹتی رہی اور بالآخر ملا تو ترجمہ کا لفظ اٹل ہی نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے۔ لیکن اگر حضرت سعدیؒ اردو زبان کے اس ترجمہ کو دیکھ پاتے تو فرما ہی دیتے کہ:

ترجمہ قرآن شے دیگرست و علم القرآن شے دیگر علم الحدیث و علم الرجال

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہروقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہروقت ازبر۔

علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت۔

اعلیٰ حضرت نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ بعض لوگوں کا ایمان بالرسل بایں معنیٰ نہیں ہے کہ رسول پاک سید المرسلین ہیں، خاتم النبین ہیں، شفیع المذنبین ہیں، اکرم الاولین والآخرین ہیں، اعلم الخلق اجمعین ہیں، محبوب رب العالمین ہیں۔ بلکہ صرف بایں معنیٰ ہے کہ زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہیں جو مر کر مٹی میں مل چکے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے بے اختیار اور عند اللہ بے وجاہت رہے۔ اگر ان کو بشر سے کم قرار دو تو تمہاری توحید زیادہ چمک دار ہو جائے گی۔ ان حقائق کو واضح کردینے کا یہ مقدس نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی جمہوریت اسلامیہ کی بڑی اکثریت دامن رسول سے لپٹی ہوئی ہے اور دشمنان اسلام کے فریب سے بچ کر مجرموں کے منہ پر تھوک رہے ہیں۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر اہل السنتہ و الجماعۃ خیر الجزاء

علم فقہ میں اعلیٰ حضرت کا مقام

آپ کے علم و فضل اور خاص کر علم فقہ میں تبحر کا اعتراف تو ان اہل علم نے بھی کیا ہے جنہیں مسلک و مشرب میں آپ سے اختلاف ہے۔ مثلاً: ملک غلام علی صاحب جو سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے معاون ہیں اپنے ایک بیان میں جسے ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور نے ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں درج کیا ہے لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔ اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹ پڑتا ہے۔''

اسی طرح اعظم گڑھ یوپی سے شائع ہونے والا ماہنامہ مجلّہ ''معارف'' رقمطراز ہے: ''مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے۔ انہوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن عزیز کا سلیس ترجمہ بھی کیا ہے ان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انہوں نے دیے ہیں۔''

یہ آراء ان لوگوں کی ہیں جن سے مسلکی اختلافات ہیں۔ اور جو مسلک میں متحد ہیں ان کی آراء کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم چند کلمات علمائے ربانیین وعظمائے حرمین طیبین کے اس موقع پر عرض کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اب تک تذکروں میں جن جن علماء کے نام پیش کیے گئے ہیں غالباً یہ نام ان سے جداگانہ ہیں:

(۱) شوافع کے مفتی اور امام، نقیب الاشراف اور شیخ السادۃ فی المدینۃ المنورہ سیدی السید علوی بن السید احمد با فقیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"افضل الفضلاء ابل النبلاء فخر السلف قدوۃ الخلف الشیخ احمد رضا۔"

(۲) احناف کے مفتی وامام السید اسماعیل بن خلیل مدنی فرماتے ہیں۔

"شیخنا العلامۃ المجدد شیخ الاساتذۃ علی الاطلاق الشیخ احمد رضا۔"

(۳) حنبلیوں کے امام ومفتی اور مسجد نبوی میں مدرس امام عبداللہ النابلسی الحنبلی ارشاد فرماتے ہیں۔

"العالم العامل الھمام الفاضل محرر المسائل و عویصات الا حکام و محکم بروج الادلۃ بمزید اتقان و زیادۃ اجکام سید الشیوخ و الفضلاء الکرام قاضی القاضاۃ الشیخ احمد رضا خاں۔"

(۴) مالکی حضرات کے امام ومفتی، مدینہ میں دارالافتاء کے اعلیٰ نگران وحاکم سیدی احمد الجزائری ابن السید احمد المدنی ارشاد فرماتے ہیں۔

" علامۃ الزمان و فرید الاوان و منبع العرفان و ملحظ النظار سید عدنان حضرت مولانا الشیخ احمد رضا خان۔"

یہ چار شہادتیں مفتیان مذاہب اربعہ، احناف، شوافع، حنابلہ اور مالکیین مدینہ منورہ کی ہیں۔ چار ہی مذاہب اربعہ کے مفتیان کرام، علمائے عظام ومدرسین بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ کی پیش خدمت ہیں۔

(۱) حنفیوں کے امام ومفتی، علامۃ الزمان مولانا سید عبداللہ بن مولانا السید عبدالرحمٰن السراج مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں۔

"العامۃ الفھامۃ الھمام والعمدۃ الدراکۃ الامام ملک العلماء الاعلام الشیخ احمد رضا خان۔"

(۲) مالکیین کے امام وقاضی ومفتی ومدرس مسجد حرام کے خاص الخاص مفتی حضرت سیدی امام محمد بن حسین المالکی مفتی ومدرس دیار حرمیہ ارقام فرماتے ہیں۔

" ونشرت اعلام الانتصار علی منبر الھدایہ فی جامع الافتخار وقامت تشبت فضائل منشیھا وتنص علی مناھل مصطفیھا وکیف لا وھو احمد المھتدین رضا لازالت شموس تحقیقاتہ المرضیۃ طالعۃ فی سماء الشعریعۃ السمحۃ المحمدیۃ۔"

(۳) مفتی امام محدث علام مدرس بیت الحرام مکہ مکرمہ و امام شافعیہ سیدی محمد صالح مدرس مسجد حرام و امام شافعیہ ارقام فرماتے ہیں۔

"فنقول ابقاہ سامیاذری مجد مخدوم العزو السبعدر افلا علل الحبور واردا موارد السرور ماترنم بمدحہ مادح صدح بشکرہ صادہ۔"

(۴) مکہ مکرمہ کے حنابلہ کے مفتی و امام اور مدرس حضرت علامہ مولانا عبداللہ بن حمید مفتی حنابلہ بمکۃ المشرفہ فرماتے ہیں۔

"العالم المتحقق المدقق لا زالت شجرۃ علمہ نامیۃ علی ممر الزمان و ثمر علمہ مقبولۃ لدی الملک الدیان الشیخ احمد رضا خان۔"

حرمین شریفین کے صرف چار چار علمائے کرام کی آراء یہاں پر درج کی گئی ہیں اور اختصار کے پیش نظر انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ مصر و شام، عراق و یمن، الجزائر و نابلس، طرابلس و اردون وغیرہا ممالک عربیہ اسلامیہ کے فضلاء و علماء کے ایسے ہی خیالات متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ جب ہم آپ کی تحریرات و فتاویٰ کو دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کام اس تعمق اور اس تیز رفتاری کے ساتھ کسی شخص واحد سے ممکن ہے؟

مثال کے طور پر ۱۳۲۳ھ کا واقعہ ہے مکہ مکرمہ برائے حج تشریف لے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حج پر جانے والا اپنے ساتھ کتب فقہ و حدیث کا ذخیرہ تو نہیں لے جاتا فراغت حج کے ساتھ ہی ایک استفتاء جو پانچ سوالوں پر مشتمل تھا دیا جاتا ہے اور تقاضا یہ ہے کہ دو دن میں جواب مل جائے۔ جس کی مختصر کیفیت یہ تھی جو خود مصنف علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائی۔

"میرے پاس بعض ہندیوں کی طرف سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵/ذی الحجہ کو ایک سوال آیا --- میرے پاس کتابیں نہ تھیں اور مفتی حنفیہ سیدی صالح بن کمال کا کہنا یہ تھا کہ دو دن منگل و بدھ میں جواب مکمل ہو جائے۔ میں نے رب تبارک و تعالیٰ کی امداد و اعانت پر جواب صرف دو مجلسوں میں مکمل کیا جس میں سے مجلس اول تقریباً سات گھنٹے کی تھی اور دوسری مجلس ایک گھنٹے کی۔"

(ترجمہ الدولتہ المکیتہ)

اس استفتاء جو پانچ سوالوں پر مشتمل تھا اور جس کا جواب دو نشستوں میں جو تقریباً آٹھ گھنٹے پر حاوی تھیں تحریر کیا گیا یہ عربی زبان میں چار سو صفحات کی کتاب تھی جسے بنام تاریخی "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ۲۳-۱۳ سے موسوم فرمایا۔

اس مبارک کتاب میں جب کہ آپ کے پاس کوئی کتاب موجود نہ تھی متعدد کتب و فتاویٰ کے حوالہ جات صفحہ وار بتائے ہیں اور محض اپنی یادداشت پر بتائے ہیں۔ یہ محض رب کریم کی وہ عنایت تھی جو وہ اپنے مقبول بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

تصنیفات و افتاء

امام اہلسنت قدس سرہ نے اپنی عمر کے آٹھویں سال میں بزبان عربی "ہدایت النحو" کی شرح تحریر فرمائی اور چودہ سال کی عمر سے مسلسل فقہ پر کام کیا جو اڑسٹھ سال کی عمر تک جاری رہا۔ ایک ہزار کے قریب ضخیم کتابیں اور رسائل یادگار چھوڑے، جو موضوع کے اعتبار سے پچاس مختلف علوم وفنون پر محیط ہیں۔ یہ پچپن سال کا دور پوری تصانیف پر منقسم کیا جائے تو روزانہ کی اوسط تحریر ساڑھے تین جزو ہوتے ہیں جن کے چھپن صفحات بنتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ ۱۲ جلدوں میں ہے جن میں سے چار جلدیں (کتاب الطہارۃ سے کتاب الحج تک) طبع ہو چکی ہیں۔ آٹھ ابھی شائع نہیں ہوسکیں۔ پانچویں چھپ رہی ہے۔ فتاویٰ دیکھیے تو آپ کو ایک فقیہ کی فقاہت اور ایک مفتی کی شان افتاء کا اندازہ ہوگا۔

امام بریلوی کی شعر گوئی

کتنی عجیب بات ہے کہ ایسے امام الوقت مسند العصر کے پاس جس کو رات دن کے کم سے کم بیس گھنٹے میں صرف علم دین سے واسطہ ہو جس کے ایوان علم میں اپنے قلم دوات اور دینی کتابوں کے سوا کچھ نہ ہو، جو عرب وعجم کا رہنما ہو، اس کو شعر کہنے کو کیا کہا جائے کسی سے شعر سننے کی فرصت کہاں سے ملتی ہے۔ مگر شان جامعیت میں کمی کیسے ہو اور مملکت شاعری میں برکت کہاں سے آئے اگر اعلیٰ حضرت کے قدم اس کو نہ نوازیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس رشک جناں سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق کے لئے سرمایہ حیات ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے حمد ونعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہو چکا ہے جس کا ایک ایک لفظ پڑھنے والوں اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا لغزشوں سے محفوظ رہنا

علمائے دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں مگر لغزش علم وفلتت لسان سے بھی محفوظ رہنا یا اپنے بس کی بات نہیں۔ زورِ قلم میں بکثرت تفرد پسندی میں آگئے بعض تجدد پسندی پر اتر آئے۔ تصانیف میں خود آرائیاں بھی ملتی ہیں۔ لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں۔ قول حق کے لہجہ میں بھی بوئے حق نہیں ہے۔ حوالہ جات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کر لی گئی ہے لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علمائے عرب وعجم کو اعتراف ہے کہ یا حضرت شیخ محقق مولانا محمد عبد الحق محدث دہلوی، حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی، یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔ ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔ اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاویٰ رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالیے۔

فقیہ اعظم کا ایک عظیم وجلیل حاشیہ جن چار مجلدات پر مشتمل ہے وہ حاشیہ امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ ''ردالمحتار'' پر ہے۔ جسے آپ نے بنام ''جدالممتار'' موسوم فرمایا ہے۔ لیکن یہ بیش قیمت حاشیہ اسی ذخیرے میں پڑا ہے جو ابھی محروم اشاعت ہے۔

مولیٰ تعالیٰ کسی ایسے مرد جلیل کو پیدا فرمادے جو جملہ تصانیف مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ''مرکز اشاعت علوم امام احمد رضا'' قائم کرے اور آپ کے جواہر علمی کو جلوۂ طباعت دے۔ آمین!

وصال مبارک

آپ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء جمعۃ المبارک کے دن عین اذان جمعہ کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین

مسئلہ ۱ ۲ربیع الآخر شریف۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یانہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟ مع دستخط ومہر کے جواب تحریر فرمایئے۔

الجواب ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں۔تو جن بعض کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہونا ہی چاہئے۔مگر فقیر نے کتب لغت وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی ہے قاموس میں ہے۔

الا ربیان بالکسر سمک کالدود

اربیان ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ایک مچھلی ہے مکوڑے کی طرح۔

صحاح وتاج العروس میں ہے۔

الا ربیان بعض من السمک کالدود ویکون بالبصرۃ

اربیان مکوڑے کی طرح سفید مچھلی ہوتی ہے ہے اور بصرہ میں پائی جاتی ہے۔

صراح میں ہے۔

اربیان نوعے از ماہی ست "اربیان مچھلی کی ایک قسم ہے۔" منتہی الارب میں ہے۔اربیان نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا می گویند "اربیان مچھلی کی ایک قسم ہے جس کو ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔" مخزن میں ہے۔وبیان واربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیاں وماہی میک وبہندی جھینگا مچھلی نامند "روبیان اور اربیان بھی کہتے ہیں فارسی میں روبیاں مچھلی اور میک مچھلی اور ہندی میں جھینگا مچھلی کہتے ہیں۔" تحفۃ المومنین میں ہے۔بفارسی ماہی روبیاں نامند تذکرۃ داؤد وانطا کی میں ہے۔

روبیان اسم نصرب من السمک یکثر ببحر العراق و القام احمر کثیر الارجل نحو السرطان لکنہ اکثر لحما "روبیان مچھلی کی ایک قسم کا نام ہے جو عراق اور قام کے سمندر میں بہت ہوتی ہے۔سرخی مائل کیکڑے کی طرح بہت پاؤں والی لیکن اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔" حیاۃ الحیوان الکبریٰ میں ہے۔الروبیان ھو سمک صغیر جدا احمر "روبیان وسرخی مائل بہت چھوٹی سی مچھلی ہے۔"

تواس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایۃ مطلقاً حلال ہونا چاہیے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔ والطافی لیس نوعابراسه بل وصف یعتری کل نوع "اور طافی کوئی مستقل نوع نہیں بلکہ ایک وصف ہے جس کی طرف ہر نوع کی نسبت ہوتی ہے۔" اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں امام شافعی کے سواسب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفی معراج الدرایہ

ولو وجدت سمكة في حوصلة طائر توكل و عندالشافعي لا توكل لانه كالرجيع و رجيع الطائر عنده نجس و قلنا انما يعبر رجيعا اذاتغير و في السمک الصغار التي تقلي من غيران يشتق جوفه فقال اصحابه لا يحل اكله لان رجيعه نجس و عند سائر الائمه يحل "اگر پرندہ کی پوٹ میں مچھلی پائی جائے تو کھائی جائے گی اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے گی کیونکہ وہ بیٹھ کی طرح ہے اوران کے نزدیک پرندہ کی بیٹھ ناپاک ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ اس وقت ہوگی جب کہ متغیر ہوگئی ہو اور وہ چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک کیے بغیر انہیں بھونا جاتا ہے، شوافع کہتے ہیں ان کا کھانا حلال نہیں کیونکہ پرندہ کی بیٹھ نجس ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔"

مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

حیث قال السمک الصغار کلها مکروهة کراهة التحریم هو الاصح "جب کہ کہا ہے چھوٹی مچھلیاں تمام کی تمام مکروہ تحریمی ہیں۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے۔"

جھینگے کی صورت عام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بولا جاتا ہے۔ جیسے ماہی سقنقور۔ حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں۔ اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی۔ بہر حال ایسے شبہ و اختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۲ ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے فحول و مفتیان ذوی العقول اس مسئلہ میں کہ کہنا "یارسول اللہ" "یا ولی اللہ" کا جائز ہے یانہیں؟ اور مدد چاہنا پیغمبران اور ولی اللہ سے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه الكريم کو "یا مشکل کشا علی" وقت مصیبت کے کہنا جائز ہے یانہیں؟ اس کا جواب مع دستخط کے مرحمت فرمایئے تاکہ میں صاف صاف لوگوں کو سمجھا دوں۔ اور عربی آیت وحدیث جہاں آئے اس کا ترجمہ بزبان اردو تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب جائز ہے جب کہ انہیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انہیں باذن الٰہی والمد برات امرا سے مانے اور اعتقاد کرے کہ بے حکم خدا ذرہ نہیں ہل سکتا۔ اور اللہ عزوجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا۔ ایک حرف نہیں سن سکتا۔ پلک نہیں ہلا سکتا۔ اور بیشک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے۔ اس کے خلاف کا ان پر گمان محض بدگمانی وحرام ہے اور ایسے سچے اعتقاد کے ساتھ ندا کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو یہ دعا تلقین فرمائی کہ نماز کے بعد یوں کہیں۔

یامحمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لیقضی لی

"یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں منہ کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔"

اور بعض روایات میں ہے۔

لتقضی لی یارسول اللہ "تاکہ حضور میری یہ حاجت پوری فرمائیں۔"

ان نابینا نے بعد نماز یہ دعا کی فوراً آنکھیں کھل گئیں۔

طبرانی وغیرہ کی حدیث میں ہے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا ایک صحابی یا تابعی کو بتائی۔ انہوں نے بعد نماز یوں ہی ندا کی کہ یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے اس حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ ان کی حاجت بھی پوری ہوئی۔ پھر علماء ہمیشہ اسے قضائے حاجات کے لئے لکھتے آئے۔ نیز حدیث میں ہے۔

اذا ارادعونا فلینا داعینونی یا عباد اللہ

جب استعانت کرنا اور مدد لینا چاہے تو یوں پکارے میری مدد کرو اے اللہ کے بندو۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔

قولهم یا شیخ عبدالقادر نداء فلما الموجب لرحرمته

یا شیخ عبدالقادر کہنا ندا ہے۔ اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

فقیر نے اس بارے میں ایک مختصر رسالہ ''انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ'' لکھا۔ وہاں دیکھئے کہ زمانہ رسالت سے ہر قرن وزمانہ کے ائمہ وعلماء وصلحا میں وقت مصیبت محبوبان خدا کو پکارنا کیسا شائع ذائع رہا ہے۔ وہابیہ کے طور پر معاذ اللہ صحابہ سے آج تک وہ سب بزگان دین مشرک ٹھہرتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳ ۴ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف، رحم کرے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر اور برکت دے علم میں کہ فیض پہنچاتے ہیں علم سے اپنے خلائق کو اس قول میں کہ وردی جو کہ سپاہی پولیس کے پہنتے ہیں اور دھوتی جو کہ کفار پہنتے ہیں اس کو پہن کر نماز مکروہ ہے یا کہ مکروہ تحریمی؟ بینوا توجروا۔

الجواب وہ وردی پہن کر نماز مکروہ ہے۔ خصوصاً جب کہ سجدہ بروجہ مسنون سے مانع ہو۔ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے۔

الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاط شئی من زی الفساق ویعطی لہ فی ذلک کثیرا جرلا یستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ

''موچی اور درزی جب کسی ایسی چیز کے سینے کا اجارہ کرے جو فساق کا پہناوا ہے۔ اور اس کے لئے اسے بہت اجرت بھی ملے اسے وہ کام نہ کرنا مستحب ہے کیونکہ اس کام کا کرنا گناہ پر مدد کرنا ہے۔''

اور دھوتی باندھ کر بھی مکروہ ہے کہ اگر لباس ہنود وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لئے بس ہے۔

لنھیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن کف ثوب او شعر

بوجہ منع کرنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اور بال سمیٹے سے۔

ہاں پیچھے نہ گھرسیں تو وہ دھوتی نہیں تہبند ہے۔ اور اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنت ہے۔

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٤ ٦ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت کہ جھوٹا کافر کا پاک ہے یا ناپاک؟ اگر کوئی کافر سہواً یا قصداً حقہ یا پانی پی لے کیا حکم ہے؟ ترجمہ بزبان اردو ضرور بالضرور ہر مسئلہ میں تحریر فرماتے جائیے تاکہ عام لوگ بخوبی سمجھ لیا کریں۔ **بینوا توجروا کثیرا.**

الجواب کافر ناپاک ہیں۔ قال اللّٰہ تعالی

انما المشرکون نجس ''کافر نرے ناپاک ہیں۔''

یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے۔ پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ضرور ناپاک ہے اور حقہ وغیرہ جس چیز کو ان کا لعاب لگ جائے گا ناپاک ہوجائے گی۔ تنویرالابصار میں ہے۔

سور شارب خمر فور شربھا وھرۃ فور اکل فارۃ نجس

''شراب پینے کے بعد کا شرابی کا جھوٹا اور چوہا کھانے کے بعد بلی کا جھوٹا نجس ہے۔''

یونہی اگر کافر شراب خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی۔ تو جب تک مونچھ دھل نہ جائے گی پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کردے گی۔ درمختار میں ہے۔

لو شاربہ طویلا لا یستوعبہ اللسان فنجس ولو بعد زمان

''اگر اس کی مونچھیں اتنی لمبی ہوں کہ انہیں زبان نہ گھیر سکے تو نجس ہے۔''

اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہی پئے۔

اور اگر ظاہری نجاستوں سے بالکل جدا ہو تو اس کے جھوٹے کو اگرچہ کتے کے جھوٹے کی طرح ناپاک نہ کہا جائے گا۔

فی التنویر الدر سور ادمی مطلقا ولو جنبا او کافرا طاھر الفم طاھر اہ

''تنویر اور درر میں ہے آدمی کا جھوٹا مطلقاً پاک ہے اگرچہ جنبی ہو یا کافر بشرطیکہ اس کا منہ پاک ہو۔''

مختصراً اگرچہ ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب و بے دغدغہ ہونا ضروری نہیں۔ رینٹھ بھی تو ناپاک نہیں، پھر کون عاقل اسے اپنے لب وزبان سے لگانے کو گوارا کرے گا؟ کافر کے جھوٹے سے بھی بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے۔ اور یہ نفرت ان کے ایمان سے ناشی ہے۔

وفی دفعه عن قلوبهم سقاط شناعة الکفرة عن اعینهم اوتخفیفها و ذلک غش بالمسلمین وقد صرح العلماء کما فی العقود الدریة وغیرها ان المفتی انمایفتی بما یقع عنده من المصلحة و مصلحة المسلمین فی ابقاء النفرة عن الکفر ة لا فی القائها

''اوران کے دلوں سے اس کے اٹھانے میں ان کی آنکھوں سے کفار کی برائی دور کرنا ہے یا کم کرنا اور یہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکا ہے اور تحقیق علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود دریہ وغیرہ میں ہے بےشک مفتی وہ فتوی دے جس میں اس کے نزدیک مسلمانوں کا بھلا ہو۔اور مسلمانوں کا بھلا کافروں سے نفرت باقی رکھنے میں ہے نہ اس کے ختم کرنے میں۔''

ولہٰذا جو شخص دانستہ اس کا جھوٹا کھائے پئے مسلمان اس سے بھی نفرت کرتے ہیں۔وہ مطعون ہوتا ہے۔اس پر محبت کفار کا گمان ہو جاتا ہے۔اور حدیث میں ہے:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التھم

''جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔''

متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاک و مایسوء الاذن ''اس بات سے بچ جو کان کو بری لگے۔''

رواہ الامام احمد عن ابی الغادیة والطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی طبقات والعسکری فی الامثال وابن مندة فی المعرفة والخطیب فی الموتلف کلهم عن ام الغادیة عمة العاص بن عمرو الطفاوی و عبداللہ بن احمد الامام فی زوائد المسند و ابو نعیم و ابن مندة کلاهما فی العرفة عن العاص المذکور مرسلا وابونعیم فیها عن حبیب بن الحارث رضی اللہ تعالی عنهم

نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاک وکل امریعتذرمنه ''ہر اس بات سے بچ جس میں عذر کرنا پڑے۔''

رواہ الضیاء فی المختار ة والدیلمی کلاهما بسند حسن عن انس والطبرانی فی الاوسط عن جابر وابن بنیع ومن طریقة العسکری فی امثاله و القضاعی فی مسنده معا والبغوی ومن طریقة الطبرانی فی اوسطه والمخلص فی السادس من فوائده وابو محمد الابراهیمی فی کتاب الصلوة و ابن النجار فی تاریخه کلهم عن ابن عمرو الحاکم فی صحیحه والبیهقی فی الزهد و العسکری فی الامثال و و ابونعیم فی المعرفة عن سعد ابی وقاص و احمد و ابن ماجة بسند احسن و ابن عساکر عن ابی ایوب الانصاری

کلھم رافعیه الی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم و البخاری فی تاریخه و الطبرانی فی الکبیر و ابن مندة عن سعد بن عمارة من قوله رضی اللّٰہ تعالٰی عنهم اجمعین

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولا تنفروا رواہ الائمة احمد والبخاری و مسلم والنسائی عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه

"بشارت دواور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔"

پھر اس میں بلاوجہ شرعی فتح باب غیبت ہے اور غیبت حرام (فمـا ادی الیـه فلا اقل ان یکون مکروھا) تو دلائل شرعیہ و احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جھوٹے سے احتراز ضرور ہے۔

وکم من حکم یختلف باختلاف الزمان بل والمکان کماتشھد به فروع جمعه فی کتب الائمة ھذا ماعندی و به افتیت مرارا واللّٰہ ربی علیه معتمدی والیه مستندی واللّٰہ سبحانه و تعالٰی اعلم

"اور بہت سے احکام اختلاف زمانہ کے ساتھ بلکہ اختلاف مکان کے ساتھ مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس کی شہادت وہ فروع ہیں جو کتب ائمہ میں جمع ہیں۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور میں نے اس کے ساتھ کئی بار فتوٰی دیا ہے اور اللہ تعالٰی میرا رب ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میری سند ہے۔ اور اللہ پاک و بلند خوب جانتا ہے۔"

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفٰی صلی اللّٰہ علیه وسلم

مسئلہ ۵ ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ ایک شخص نماز ظہر کی پڑھنے کھڑا ہوا اور اس نے بعد چار سنت پڑھنے کے سہواً پھر چار سنت کی نیت باندھ لی اور اس کو چار فرض پڑھنا چاہیے تھے۔ جس وقت کہ وہ دو رکعت نماز ادا کر چکا اس کو خیال ہوا کہ اب مجھ کو فرض پڑھنا تھے۔ پس اس نے اپنے دل میں فرضوں کی نیت باندھ لی کہ میں فرض پڑھتا ہوں اور اس نے دو رکعت پیشتر کی بہ نیت سہواً سنت ادا کی اور دو رکعت آخر کی بہ نیت فرض کے خالی الحمد کے ساتھ پڑھی۔ دریں صورت کہ اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت بینوا توجروا؟

الجواب یہ نماز فرض ہوئی نہ سنت۔ فرض تو یوں نہ ہوئے کہ پہلی دو رکعتوں میں نیت فرض کی نہ کی تھی اور فعل کے بعد نیت کا اعتبار نہیں۔ فی الدر المختار لاعبرة بنیة متاخرة عنها علی المذھب اور دو رکعت اخیر میں اگر فرض کی نیت اس نے تیسری رکعت کی پہلی تکبیر کے وقت بحال قیام نہ کی، جب تو یہ نیت ہی لغو ہے۔ اور اس وقت کی تو اب وہ پہلی نیت سے نماز فرض کی

طرف منتقل ہوگیا۔ اگر چار پوری پڑھ لیتا فرض ہو جاتے۔ مگر اس نے دو پر قطع کردی الہذا یہ بھی فرض نہ ہوئے۔

فی الدر المختار یفسدھا انتقالہ من صلوۃ الی مغایر تھا فی ردالحتار بان ینوی بقلبہ مع التکبیرات الانتقال المذکور قال فی النھربان صلی رکعۃ من الظھر مثلاثم افتح العصر اوالتطوع بتکبیرۃ فان کان صاحب ترتیب کان شارعا فی التطوع عندھما خلافا لمحمد اولم یکن بان سقط للضیق اوللکثرت صح شروعہ فی العصر لانہ نوی تحصیل مالیس بحاصل فخرج عن الاول فمناط الخروج عن الاول صحۃ لشروع فی المغایر ولو من وجہ الخ

"درمختار میں ہے فاسد کرتا ہے نماز کو انتقال اس کا ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف جو پہلی نماز کے مغائر ہو۔ شامی میں ہے جیسے آدمی اپنے دل کے ساتھ نیت کرے تکبیرات کے ساتھ انتقال مذکور کی مصنف نہر نے کہا ہے جیسے نمازی نے ظہر کی مثلاً ایک رکعت پڑھی پھر عصر شروع کردی یا نفل تکبیر کے ساتھ شروع کردیئے پس اگر وہ صاحب ترتیب ہے شیخین کے نزدیک وہ نفل شروع کرنے والا ہے۔ امام محمد کا اختلاف ہے یا نہیں ہوا ساقط ہوئی بوجہ تنگی وقت کے یا واسطے کثرت کے درست ہے شروع ہونا اس کا عصر میں کیونکہ اس نے ایسی چیز کے حاصل کرنے کی نیت کی ہے جو اسے حاصل نہیں پس پہلی نماز سے نکل گیا پس پہلی نماز سے نکلنے کا دارومدار صحت شروع ہے پہلی نماز سے مغائر نماز میں اگرچہ تغائر من وجہ ہو۔"

اور سنت نہ ہونا ظاہر ہے کہ سنتیں تو پڑھ چکا ہے بلکہ اگر سنتیں نہ پڑھی ہوتیں اور تیسری یا کسی رکعت کی تکبیر اول کے وقت نیت فرض کی کرلیتا جب بھی سنتیں نہ ہوتیں کہ وہ اس نیت کے سبب فرض کی طرف منتقل ہوگیا۔ بہر حال یہ رکعتیں نفل ہوئیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٦ ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سورت پڑھی۔ بعدہ، سلام پھیرا۔ اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت؟ جیسا ہو ویسا ہی معہ دستخط مہر کے ارقام فرمایئے۔ اور اگر وہ سجدہ سہو کرلیتا تو اس کی نماز فرض ہو جاتی یا نہیں؟

الجواب فرض ہوئے اور نماز میں کچھ خلل نہ آیا۔ اس پر سجدۂ سہو تھا۔ بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورۃ ملا

لے تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلاف اولیٰ ہے بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہر اُیہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے۔ امام کے لئے ضرور مکروہ ہے۔ بلکہ مقتدیوں پر گراں گزرے تو حرام۔ درمختار میں ہے:

ضم سورة فی الاولین من الفرض وهل یکره فی الاخریین المختار لا

"فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ کا ملانا فرض ہے۔ اور کیا پچھلی دو رکعتوں میں مکروہ ہے؟ مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔"

ردالمحتار میں ہے:

ای لا یکره تحریما بل تنزیها لانه خلاف السنة قال فی الملیة وشرحها فان ضم السورة الی الفاتحة ساهیا تجب علیه سجدتا السهو فی قول ابی یوسف لتاخیر الرکوع عن محله و فی اظهر الروایات لا تجب لان القراء ة فیهما مشروعة من غیر تقدیر والانتصار علی الفاتحة مسنون لا واجب اه فی البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة فی الاخریین نفلا و فی الذخیرة انه المختار و فی المحیط هو الاصح اه والظاهر ان المراد بقوله نفلا بجواز المشروعیة بمعنی عدم الحرمة فلاینا فی کونه خلاف الاولی کما افاده فی الحلیة اه ما فی ردالمحتار. اقول لفظ الحیلة ثم الظاهر اباحتها کیف لا وقد تقدم من حدیث ابی سعید الخدری فی صحیح المسلم وغیره انه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم کان یقرا فی صلوة الظهر فی الرکعتین الاولین قدر ثلثین اية وفی الاخریین قدر خمسه عشر اية او قال نصف ذلک. فلا جرم ان قال فخر الاسلام فی شرح جامع الصغیر واماالسورة فانها مشروعة نفلا فے الاخریین حتی قلنا فیمن قرء فی الاخریین لم یلزمه سجدة السهو انتهی. ثم یمکن ان یقال الاولی عدم الزیادة و یحمل علی الخروج مخرج البیان لذلک الحدیث ابی قتادة رضی اللّٰه تعالی عنه (یرید ما تقدم بروایة الصحیحین) ان النبی صلی اللّٰه تعالی علیه و سلم کان یقرو فی الظهر فی الاولیین بام القران و سورتین، وفی الرکعتین الاخریین بام الکتب الحدیث قول المصنف المذکور (ای ولا یزید علیهماشینا) و قول غیر واحد من المشائخ کما فی الکافی وغیره و یقرو فیهما بعد الاولیین الفاتحة فقط و یحمل علی بیان مجرد الجواز حدیث ابی سعید رضی اللّٰه تعالی علیه قول فخرالاسلام فان النبی صلی اللّٰه تعالی علیه و سلم یفعل الجائز فقط فی بعض الاحیان تعلیما للجواز وغیره من غیر کراهة فی حقه صلی اللّٰه تعالی علیه و سلم کما یفعل الجائز الا ولی فی غالب الاحوال والنفل لا ینافی عدم الاولویة فیندفع بهذا ماعساه یخال من المخالفة بین الحدیثین المذکورین و بین اقوال المشائخ واللّٰه سبحانه اعلم اه و لعلک لا یخفی علیک

ان حمل المشروع نفلا على المكروه تنزيها مستبعد جدا و قراءة السورة فى الاخرين ليست فعلا مستحبا مستقلا يعتبر به عدم الاولوية لعارض كصلوة نافلة مع بعض المكروهات وانما المستفاد من النفلية ههنا فيما يظهر هو استحباب فعلها فكيف يجامع عدم الالوية ولذى يظهر للعبدا لضعيف ان سنه الاقتصاد على الفاتحة انما تثبت عن المصطفى صلى اللّٰه تعالى عليه و سلم فى الامامة فانه لم يعهد منه صلى اللّٰه تعالى عليه و سلم صلوة مكتوبة الا اما ما ال نادرا فى غاية الندرة فيكره للامام الزيادة عليها لا طالة على المقتدين فوق السنة. بل لواطال الى حد الاستثقال كره تحريما اما المنفرد فقال فيه النبى صلى اللّٰه تعالى عليه و سلم فليطول ماشاء. وزيادة القراء زياده خير ولم يعرضه مايعارض خيريته فلا يبعدان يكون نفلا فى حقه. فان حملنا كلام اكثر المشائخ على الامة و كلام الامام فخر الاسلام و تصحيح الذخيرة المحيط على المنفرد حصل التوفيق. وباللّٰه التوفيق. هذا ما عندى. واللّٰه سبحانه، وتعالى اعلم

”یعنی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔ یہ منیہ اوراس کی شرح میں کہا ہے۔پس اگر ملایااس نے سورۃ کو ساتھ فاتحہ کے بھول کر، واجب ہوگا اس پر سجدہ سہوابی یوسف رحمۃاللہ تعالیٰ کے قول میں رکوع میں تاخیر کی بناپر،اوراظہر روایات میں سجدہ سہوواجب نہیں ہے۔اس لئے کہ قراءت توان دونوں رکعتوں میں مشروع ہے بغیرکسی خاص اندازہ کے۔رہافاتحہ پراقتصار،تو یہ سنت ہے، واجب نہیں۔ بحر میں فخر الاسلام سے روایت ہے کہ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا پچھلی دورکعتوں میں نفلا جائز ہے۔ اورذخیرہ میں ہے وہی مختار ہے۔اورمحیط میں ہے وہی زیادہ صحیح ہے۔اورظاہر یہ ہے کہ فخرالاسلام کے قول میں نفلا قراءت کے جائز ہونے سے مرادعدم حرمت ہے۔پس یہ قول قرات فی الاخریین کے خلاف اولیٰ ہونے کے مخالف نہیں جیسا کہ حلیہ میں یہ بیان کیا ہے۔ردالمحتار کی عبادت تمام ہوئی۔ میں کہتا ہوں لفظ حلیہ کا پھر ظاہر قراءت کا جواز ہے جواز کیسے نہ ہو جب کہ پہلے گزرچکا ہے ابی سعید خدریؓ کی حدیث سے صحیح مسلم وغیرہ میں بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے صلوۃ ظہر کی پہلی دورکعتوں میں تیس آیتوں کا اندازہ،اور پچھلی دورکعتوں میں پندرہ آیتوں کا قدریا کہا نصف اس کا پس اس لئے فخرالاسلام نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے کہ سورۃ تووہ نفلا پچھلی دورکعتوں میں میں نفلا جائز ہے۔اورذخیرہ میں ہے وہی مختار ہے۔اورمحیط میں ہے وہی زیادہ صحیح ہے۔اور ظاہر یہ ہے کہ فخرالاسلام کے قول میں نفلا قراءت کے جائز ہونے سے مرادعدم حرمت ہے۔پس یہ قول قراءت فی الاخریین کے خلاف اولیٰ ہونے کے مخالف نہیں جیسا کہ حلیہ میں یہ بیان کیا ہے۔ردالمحتار کی عبارت تمام ہوئی۔ میں کہتا ہوں لفظ حلیہ کا پھر ظاہر قراءت کا جواز ہے جواز کیسے نہ ہو جب کہ پہلے گزرچکا ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح مسلم وغیرہ میں بے شک نبی

صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے صلوٰۃ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں تین آیتوں کا اندازہ، اور پچھلی دو رکعتوں میں پندرہ آیتوں کا قدر یا کہا نصف اس کا پس اس لئے فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے کہ سورۃ تو وہ نفلا پچھلی دو رکعتوں میں جائز ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے اس آدمی کے بارہ میں کہا ہے جو پچھلی دو رکعتوں میں سورت پڑھے کہ اس پر سجدہ سہو لازم نہیں انتہی۔ پھر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے اولیٰ عدم زیادت ہے اور حمل کیا جائے مخرج بیان پر واسطے حدیث قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ (اس سے مراد وہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے صحیحین کی روایت کے ساتھ) کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں اور ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الحدیث۔ قول مصنف مذکور کا (یعنی نہ زیادہ کرے اوپر ان دونوں کے کوئی شے) اور قول بہت سے مشائخ کا جیسا کہ کافی وغیرہ میں ہے اور پڑھے ان دونوں میں پیچھے پہلی دو رکعتوں کے سورۃ فاتحہ صرف اور حمل کی جائے اوپر بیان صرف جواز کے حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ اور قول فخر الاسلام کا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صرف جائز کام کرتے ہیں تعلیم جواز وغیرہ کے لئے بغیر کراہت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جیسا کہ غالب احوال میں جائز اولیٰ کو کرتے اور نفل عدم اولویت کے منافی نہیں۔ پس اس توجیہ سے وہ اعتراض مندفع ہو جاتا ہے جو خیال کیا جا سکتا تھا یعنی مخالفت درمیان حدیثوں کے اور اقوال مشائخ کے واللہ سبحانہ، اعلم اھ۔ شاید تجھ پر یہ بات پوشیدہ نہ ہو کہ مشروع نفلا کو مکروہ تنزیہی پر حمل کرنا بہت بعید ہے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورت کا پڑھنا ایسا فعل مستحب مستقل نہیں جس کے ساتھ کسی عارض کی وجہ سے عدم اولویت کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ نفل نماز بعض مکروہات کے ساتھ ظاہر فہم میں یہاں نفلیہ کا معنی ہے کہ اس کا کرنا مستحب ہے پس اس معنی کے اعتبار سے نفلیہ خلاف اولیٰ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے اور اس ضعیف بندہ کے لئے جو بات ظاہر ہوئی ہے یہ ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پر اقتصار یہ سنت ہے جو کہ حالت امامت میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرض نماز حالت امامت کے بغیر معلوم نہیں ہوئی مگر بہت ہی کم۔ پس امام کے لئے اخریین میں فاتحہ پر زیادت مکروہ ہے بوجہ لمبا کرنے نماز کے مقتدیوں پر قدر سنت سے زیادہ۔ بلکہ اگر اتنی لمبی کی کہ مقتدیوں کو بھاری معلوم ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ رہا اکیلے نماز پڑھنے والا، پس اس کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے پس وہ قراءت لمبی کرے جتنی چاہے۔ اور زیادہ قراءۃ زیادہ خیر ہے۔ اور یہاں کوئی عارض نہیں جو اس کی خیریت کو عارض ہو پس بعید نہیں کہ اس کے حق میں نفل ہو۔ پس اگر ہم حمل کریں کلام اکثر مشائخ کو امامت پر اور کلام فخر الاسلام اور تصحیح ذخیرہ و محیط کو منفرد پر، تو دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور توفیق اللہ کے ساتھ ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۷ ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر ایک شکار کے اوپر بندوق چلائی پس جس وقت اس کو جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی۔ جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو ذبح نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور درصورت نہ نکلنے خون کے بھی جواب تحریر فرمائیے۔ **بینوا و توجروا**

الجواب اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی۔ مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا، اگر چہ خون نہ نکلا یا خون ایسا نکلا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگر چہ جنبش نہ کی، یا اور کسی علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔ اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا۔ ذبح نہ کیا۔ یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا۔ تو حرام ہے۔ غرض مدار کار اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق باقی ہو اگر چہ نہ جنبش کرے نہ خون دے حلال ہوجائے گا ورنہ حرام۔ درمختار میں ہے۔

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا ان لم تدرحیاتہ عند الذبح و ان علم حیاتہ حلت مطلقا وان لم تحرک ولم یخرج الدم و ھذا یتاتی فی منخنقۃ و متردیۃ و نطیحۃ والتی فقر الذئب بطنھافزکاۃ ھذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ وعلیہ الفتوی لقولہ تعالی الا ما ذکیتم من غیرہ فصل اہ و فی رد المحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام الاعظم رضی اللّٰہ تعالی عنہ خروج الدم لا یدل علی الحیوۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج من الحی قال و ھو ظاھر الروایۃ

"ذبح کیا اس نے بیمار بکری کو پس اس نے حرکت کی یا اس سے خون نکلا تو حلال ہے ورنہ حلال نہیں اگر وقت ذبح اس کی زندگی معلوم نہ ہو۔ وقت ذبح زندگی معلوم ہوئی تو مطلقاً حلال ہے اگر چہ حرکت بھی نہ کرے اور خون بھی نہ نکلے۔ اور یہی حکم ہے گلا گھونٹی اور بلندی سے گرنے والی اور سینگ سے زخمی ہونے والی اور جس کا پیٹ بھیڑیے نے پھاڑ دیا ہو۔ پس بحالت مذکورہ ان کا ذبح کرنا انہیں حلال کردے گا اگر چہ ان میں خفیف سی زندگی ہو اور اسی پر فتوٰی ہے بوجہ فرمان اللہ تعالٰی کے مگر جسے ذبح کرلیا تم نے بغیر فصل کے اھ۔ اور ردالمحتار میں روایت ہے بزازی سے انہوں نے اسبیجابی سے انہوں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ محض خون نکلنا زندگی پر دلالت نہیں کرتا ہاں جس وقت کہ اس طرح سے نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے کہا کہ یہ ظاہر روایت ہے۔"

اسی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیۃ واخواتھا کنطیحۃ و موقوذۃ وما اکل السبع و المریضۃ مطلق الحیاۃ وان قلت

كمااشرنا اليه عليه الفتوى

"بلندی سے گرکر قریب المرگ اور اس کے ساتھ مذکور فی القرآن باقی اشیاء نطیحہ، موقوذہ وغیرہ میں مطلق زندگی معتبر ہے اگرچہ کم ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔"

مدارک التنزیل میں ہے:

الموقذة التی اسخنوها ضربا بالعصا او حجر "موقوذہ وہ ہے جسے وہ لاٹھی یا پتھر سے زخمی کرتے تھے۔"

معالم میں ہے:

قال قتادة كانوا يضربونها بالعصا فاذاماتت اكلوها اه قلت فظهر ان المضروب بكل مثقل كالبندقة ولو بندقة الرصاص كله من الموقوذة فيحل بالذكاة وان قلت الحياة

"قتادہ نے کہا کفار جانور کو یہاں تک مارتے تھے کہ وہ مرجاتا تھا اسے کھاتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوا کہ ہر بھاری چیز کا مضروب جانور جیسے بندوق اگرچہ سکہ کی گولی والی ہو یہ سب موقوذہ میں شامل ہیں پس یہ ذبح کرنے سے حلال ہوجاتی ہیں اگرچہ وقت ذبح ان میں قلیل زندگی ہو۔"

ردالمحتار میں ہے:

لا يخفى ان الجرح بالرصاص انما هو با لاحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف اذليس له حدفلا يحل وبه افتى ابن نجيم والله تعالى اعلم

"پوشیدہ نہیں کہ سکہ کی گولی کا زخم بوجہ جلنے اور بوجھ کے ہے بواسطہ اس کے زور سے پھینکنے کے کیونکہ گولی میں دھار نہیں پس حلال نہیں۔ اسی کے ساتھ ابن نجیم نے فتویٰ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔"

كتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم

مسئلہ ۸ ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا چاہیے اور کس وقت میں؟ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے میں گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا مفصلا تو جروا كثيرا

الجواب شکار کے محض شوقیہ بغرض تفریح ہو جس ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں۔ بندوق کا خواہ مچھلی

کا، روزانہ ہوخواہ گاہ گاہ مطلقاً بالاتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو۔

آج کل کے بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کی کھانے یا پہننے کی چیز لانے کو جانا اپنی کسرشان سمجھیں، یا زم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں وہ گرم دوپہر، گرم لو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے، اور دوپہر دو دو دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں، کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں؟ حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام۔

ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہئے مثلاً مچھلی بازار میں بھی ملے گی، وہاں سے لے لیجئے، ہرگز قبول نہ کریں گے۔ یا کہئے کہ ہم اپنے پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی غرض نہیں رکھتے، بانٹ دیتے ہیں۔ تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح وحرام ہے۔ درمختار میں ہے **الصید مباح الاللتلهی کماهو ظاهر** اسی طرح اشباہ و بزازیہ ومجمع الفتاویٰ وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے۔ **واللّٰہ سبحنہ و تعالی اعلم**

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۹ ۱۲ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں کہ علمائے دین ومفتیان شرع متین اس شعر کا مطلب جو شرع محمدی فصل اٹھائیسویں بیان مکروہات وضو میں ہے۔

تیسرے تانبے کے برتن سے اگر ہے وضو ناقص کرے گا جو بشر

یہ نہ معلوم ہوا کہ تانبے کے برتن سے کیوں وضو ناقص ہے؟ آج کل بہت شخص تانبے کے برتن لوٹے سے وضو کرتے ہیں۔ کیا ان سب کا وضو ناقص ہوتا ہے؟ **بینوا تو جروا۔**

الجواب تانبے کے برتن سے وضو کرنا اس میں کھانا پینا سب بلاکراہت جائز ہے۔ وضو میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ ہاں قلعی کے بعد چاہیے۔ بے قلعی میں کھانا پینا مکروہ ہے کہ جسمانی ضرر کا باعث ہوتا ہے۔ اور مٹی کا برتن تانبے سے افضل ہے۔ علماء نے وضو کے آداب ومستحباب سے شمار فرمایا کہ مٹی کے برتن سے ہو۔ اور اس میں کھانا پینا بھی تواضع سے قریب تر ہے۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

منها (ای من اداب الوضوء) کون انیة من خزف

''اس سے (یعنی آداب وضو سے) ہونا اس کے برتنوں کا پختہ مٹی سے۔''

اسی میں اختیار شرح مختار ہے:

اتخاذھا (ای اوانی الاکل والشرب) من الخزف افضل اذلاصرف فیہ ولامخیلۃ وفی الحدیث من اتخذ اوانی بیتہ خزفا زارتہ الملئکۃ ویجوز اتخاذھا من نحاس اورصاص

"پکڑنا ان کا (یعنی کھانے پینے کے برتن) پختہ مٹی سے افضل ہیں کیونکہ اس میں کچھ خرچ بھی نہیں اور تکبر بھی نہیں اور حدیث میں ہے جو شخص گھر کے برتن مٹی کے رکھے فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں۔ تانبے اور قلعی کے برتن بھی جائز ہیں۔" اسی میں ہے۔

یکرہ الاکل فی النحاس الغیر المطلی بالرصاص لانہ یدخل الصداء فی الطعام فیورث ضرر اعظیما وما بعدہ فلا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم

"مکروہ ہے کھانا کھانا بغیر قلعی شدہ تانبے کے کیونکہ وہ کھانے میں اپنا برا اثر ڈالتا ہے جس سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور قلعی کرنے کے بعد وہ اثر زائل ہوجاتا ہے۔"

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۰ ۱۳/ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں، اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں۔ اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جاکر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں۔ ہار لٹکاتے ہیں لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے۔ کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں؟ اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر؟ جواب عام فہم مع دستخط کے تحریر فرمائیے۔ **بینوا بالکتاب توجروا بالثواب**

الجواب یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں۔ ان کا ازالہ لازم

ماانزل اللہ بھا من سلطن۔ ولا حول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۱ ۱۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ بعد فوت ہوجانے والدین کے اولاد کے اوپر کیا حق والدین کا رہتا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب

الجواب

(۱) سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازہ کی تجہیز غسل، کفن، نماز، دفن ہے۔ اور ان کاموں میں ایسے سنن و مستحبات کی رعایت جس سے ان کے لئے ہر خوبی و برکت ورحمت وسعت کی امید ہو۔

(۲) ان کے لئے دعاو استغفار ہمیشہ کرتے رہنا۔ اس سے کبھی غفلت نہ کرنا۔

(۳) صدقہ وخیرات واعمال صالحات کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا، حسب طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا۔ بلکہ جو نیک کام کرے سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

(٤) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا میں حد درجہ کی جلدی کوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہان کی سعادت سمجھنا۔ آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں قریبوں پھر باقی اہل خیر سے اس کے ادا میں امداد لینا۔

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا ہو تو بقدر قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا۔ حج نہ کیا ہو تو خود ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کرانا، زکوٰۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا ہو تو اسے ادا کرنا۔ نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا، وعلٰی ھذا القیاس ہر طرح ان کی برات ذمہ میں جدوجہد کرنا۔

(٦) انہوں نے جو وصیت جائزہ شرعیہ کی ہو حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو۔ مثلاً وہ نصف جائیداد کی وصیت اپنے کسی عزیز غیر وارث یا اجنبی شخص کیلئے کرگئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ بے اجازت وارثان نافذ نہیں۔ مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشی پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۷) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا۔ مثلاً ماں یا باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب تو وہ ہیں نہیں ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسا ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو۔ اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح کے امور جائز میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لئے جانا، وہاں قرآن شریف ایسی آواز سے کہ وہ سنیں پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی روح

کو پہنچانا۔ راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام وفاتحہ نہ گزرنا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کیے جانا۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا ہمیشہ ان کا اعزاز واکرام رکھنا۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں یا باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۲) اور سب میں سخت تر و عام تر ومدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں رنج نہ پہنچانا۔ اس کے سب اعمال کی ماں باپ کو خبر پہنچتی ہے۔ نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے دمکنے لگتا ہے اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں ان کے قلب پر صدمہ پہنچتا ہے۔ ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ قبر میں بھی انہیں رنج دیا جائے۔ اللہ غفور رحیم، عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے حبیب رؤف ورحیم علیہ و علی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم کا ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے گناہوں سے بچائے۔ ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نور وسرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز۔ وہ غنی ہے اور ہم محتاج۔

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر. ولاحول ولاقو ۃ الاباللّٰہ العلی العظیم. وصلی اللّٰہ تعالی علی الشفیع الرفیع الغفور الکریم الروف الرحیم سیدنا محمد و الہ وصحبہ اجمیعین. امین الحمد للّٰہ رب العالمین

اب وہ حدیثیں جن سے فقیر نے یہ حق استخراج کیے ان میں سے بعض بقدر کفایت ذکر کروں۔

حدیث ۱ کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالی عنہ نے خدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی طریقہ ان کے ساتھ نیکی کا باقی ہے جسے میں بجالاؤں؟ فرمایا۔

نعم اربعۃ الصلاۃ علیھما والا ستغفار لھما وانفاذ عھد ھما من بعد ھما واکرام صدیقھما و صلتہ الرحم التی لا رحم لک الا من قبلھما فھذا الذی بقی من برھما بعد موتھما

''ہاں چار باتیں ہیں ان پر نماز اور ان کے لئے دعائے مغفرت اور ان کی وصیت نافذ کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت اور جو رشتہ صرف انہی کی جانب سے ہو نیک برتاؤ سے اس کا قائم رکھنا۔ یہ وہ نیکی ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرنی باقی ہے۔''

رواہ ابن النجار عن ابی اسید الساعدی رضی اللّٰہ تعالی عنہ مع القصۃ و رواہ البیھقی فی سننہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم لا یبقی للولد من برالوالد الاربع، الصلوۃ علیہ والدعاء لہ وانفاذ عھدہ من بعدہ و صلۃ رحمہ واکرام صدیقہ

حدیث ۲ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

استغفار الولد لابیه بعد الموت من البر

ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک سے یہ بات ہے کہ اولاد ان کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرے۔

رواہ ابن النجار عن ابی اسید مالک بن زرارۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث ۳ کہ فرماتے ہے،

اذا ترک العبد الدعاء للوالدین فانه ینقطع عنه الرزق

"آدمی جب ماں باپ کے لئے دعا چھوڑ دیتا ہے اس کا رزق قطع ہو جاتا ہے۔"

رواہ الطبرانی فی التاریخ والدیلمی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث ٤، ٥ کہ فرماتے ہیں۔

اذا تصدق احدکم بصدقة تطوعا فلیجعلها عن ابویه فیکون لهما اجرها والا ینقص من اجره شیئا

"جب تم میں کوئی شخص کچھ نفل خیرات کرے تو چاہیے کہ اسے اپنے ماں باپ کی طرف سے کرے کہ اس کا ثواب انہیں ملے گا اور اس کے ثواب سے کچھ نہ گھٹے گا۔"

رواہ الطبرانی فی اوسطه وابن عساکر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ونحوہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ماویة بن حیدۃ القشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیث ٦ کہ صحابی ایک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے باپ کی زندگی میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا۔ اب وہ مر گئے۔ ان کے ساتھ نیک سلوک کی کیا راہ ہے؟ فرمایا۔

ان من البر بعد الموت ان تصلی لهما مع صلوتک و تصوم لهما مع صیامک. (رواہ الدارقطنی)

"بعد مرگ نیک سلوک یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے روزے رکھے۔"

یعنی جب اپنے ثواب ملنے کے لئے کچھ نفل نماز پڑھے یا روزے رکھے تو کچھ نفل نماز روزے ان کی طرف سے انہیں ثواب پہنچانے کو بھی بجالا یا نماز روزہ جو عمل نیک کرے ساتھ ہی انہیں بھی ثواب پہنچانے کی بھی نیت کر لے کہ انہیں بھی ملے گا اور تیرا بھی کم نہ ہوگا۔

کما مر ولفظ مع یحتمل الوجهین بل هذا الصدقة بالمیته محیط. پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے۔ الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئی

حدیث ۷ کہ فرماتے ہیں۔

من حج عن ولديه اوقضى عنهما مغرما بعثه الله يوم القيمة مع الابرار

''جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے یا ان کا قرض ادا کرے روز قیامت نیکوں کے ساتھ اٹھے۔''

رواه الطبراني في الاوسط والدار قطني في السنن عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه

حدیث ۸ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ پر اسی ہزار قرض تھے۔ وقت وفات اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو بلا کر فرمایا۔

بع فيها اموال عمر فان وفت والافسل بنى عدى فان وفت والافسل قريشا ولاتعدعنهم

میرے دین میں اول میرا مال بیچنا اگر کافی ہو جائے فبہا ورنہ میری قوم بنی عدی سے مانگنا اگر یوں بھی پورا نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور ان کے سوا اوروں سے سوال نہ کرنا۔

پھر صاحبزادہ موصوف سے فرمایا اضمنها تم میرے قرض کی ضمانت کرلو۔ وہ ضامن ہو گئے اور امیر المومنین کے دفن سے پہلے اکابر انصار و مہاجرین کو گواہ کرلیا کہ وہ اسی ہزار مجھ پر ہیں۔ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے وہ سارا قرض ادا فرما دیا۔

رواه ابن سعد في الطبقات عن عثمان بن عروة

حدیث ۹ قبیلہ جہینہ سے ایک بی بی رضی اللہ عنہا نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میری ماں نے حج کرنے کی منت مانی تھی وہ ادا نہ کرسکیں اور ان کا انتقال ہو گیا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ فرمایا۔

نعم حجى عنها ارايت لو كان على امك دين اكنت قاضية اقضوا الله فالله احق بالوفاء. رواه البخارى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه

''ہاں اس کی طرف سے حج کر۔ بھلا دیکھ تو اگر تیری ماں پر کوئی دین ہوتا تو تُو ادا کرتی یا نہیں یوں ہی خدا کا دین ادا کرو کہ وہ زیادہ ادا کا حق رکھتا ہے۔''

حدیث ۱۰ کہ فرماتے ہیں ۔

اذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما وابتشر به ارواحهما في السماء وكتب عند الله برا

رواه الدارقطني عن زيد بن ارقم رضى الله تعالى عنه

''انسان جب اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے وہ حج اس کی طرف سے اور ان سب کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی

روحیں آسمان میں اس سے شاد ہوتی ہیں اور یہ شخص اللہ عزوجل کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے۔"

حدیث ۱۱ کہ فرماتے ہیں۔

من حج عن ابیه اوعن امه فقد قضی عنه حجة و کان له فضل عشر بحج

"جو اپنی ماں یا باپ کی طرف سے حج کرے اس کی طرف سے حج ادا ہو جائے اور اسے دس حج کا ثواب زیادہ ملے۔"

رواه الدار قطنی عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه تعالی عنهما

حدیث ۱۲ کہ فرماتے ہیں۔

من حج عن والدیه بعد وفاتهما کتب اللّٰه اعتقا من النارو کان للمحجوج عنهما اجر حجة تامة من غیر ان ینقص من اجورهما شئی. رواه الاصبهانی فی الترغیب والبیهقی فی الشعب عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالی عنه

"جو اپنے والدین کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھے اور ان دونوں کے واسطے پورے حج کا ثواب ہو جس میں اصلا کمی نہ ہو۔"

حدیث ۱۳ کہ فرماتے ہیں۔

من برقسمهما وقضی دینهما ولم یستسب لهما کتب باراو ان کان عاقا فی حیاته ومن لم یبرقسمهما ویقض دینهما واستسب لهما کتب عاقا وان کان بارا فی حیاته. رواه الطبرانی فی الاوسط عن عبد الرحمن بن سمرة رضی اللّٰه عنه

"جو شخص اپنے ماں باپ کے بعد ان کی قسم سچی کرے اور ان کا قرض اتارے اور کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انہیں برا نہ کہلوائے وہ والدین کے ساتھ نیکوکار لکھا جائے اگرچہ ان کی زندگی میں نافرمان تھا اور جو ان کی قسم پوری نہ کرے اور ان قرض نہ اتارے اور ان کے والدین کو برا کہہ کر انہیں برا کہلوائے وہ عاق لکھا جائے اگرچہ ان کی حیات میں نیکوکار تھا۔"

حدیث ۱۴ کہ فرماتے ہیں۔

من زار قبر ابویه اواحدهما فی کل یوم جمعة مرة غفر اللّٰه له و کتب برا. رواه الامام الترمذی العارف باللّٰه الحکیم فی نوادر الاصول عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه

"جو اپنے ماں باپ دونوں یا ایک کی قبر پر ہر جمعہ کے دن زیارت کو حاضر ہو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا لکھا جائے۔"

حدیث ۱۵ کہ فرماتے ہیں ۔

من زار قبر والديه او احدهما يوم الجمعة فقرء عنده يس غفر له

رواه ابن عدی عن الصديق الاكبر رضی الله تعالى عنه

''جوشخص روز جمعہ اپنے والدین یا ایک کی زیارت قبر کرے اوراس کے پاس یٰسین پڑھے بخش دیا جائے۔''

وفی لفظ من زار قبر والديه او احدهما فی كل جمعة فقرء عنده يس غفر الله له بعدد كل حرف منها

''جو ہر جمعہ والدین یا ایک کی زیارت قبر کرے وہاں یٰسین پڑھے یٰسین شریف میں جتنے حرف ہیں ان سب کی گنتی کی برابر اللہ اس کے لئے مغفرتیں فرمائیں۔''

رواه هو الخليلی و ابو شيخ والديلمی و بن النجار والرفعی وغيرهم عن ام المومنين الصديقة عن ابيها الصديق الاكبر رضی الله تعالى عنهما عن النبی صلى الله تعالى عليه وسلم

حدیث ۱۶ کہ فرماتے ہیں ۔

من زار قبر ابويه او احدهما احتسابه كان كعدل حجة مبرورة ومن كان زوارالهما زارت الملئكة قبره

''جو بہ نیت ثواب اپنے والدین دونوں یا ایک کی زیارت قبر کرے حج مقبول کے برابر ثواب پائے۔ اور جو بکثرت ان کی زیارت قبر کیا کرتا ہو، فرشتے اس کی قبر کی زیارت کو آئیں۔''

رواه الامام الترمذی الحكيم و ابن عدی عن ابن عمر رضی الله تعالى عنهما

امام ابن الجوزی محدث کتاب عیون الحکایات میں بسند خود محمد ابن العباس وراق سے روایت فرماتے ہیں۔ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کو گیا۔ راہ میں باپ کا انتقال ہوگیا۔ وہ جنگل درختاں مقل یعنی گوگل کے پیڑوں کا تھا۔ ان کے نیچے دفن کر کے بیٹا جہاں جانا تھا چلا گیا۔ جب پلٹ کر آیا، اس منزل میں رات کو پہنچا۔ باپ کی قبر پر نہ گیا ناگاہ سنا کہ کوئی کہنے والا یہ اشعار کہہ رہا ہے۔

رائتک تطوی الدوم ليلا ولاتری　　　عليک اهل الدوم تتكلما

و بالدوم ثاولو ثويت مكانه　　　و مر باهل الدوم عاد فسلما

میں نے تجھے دیکھا کہ تو رات میں اس جنگل کو طے کرتا ہے اور وہ جن ان پیڑوں میں ہے اس سے کلام کرنا اپنے اوپر لازم نہیں جانتا۔ حالانکہ ان درختوں میں وہ مقیم ہے کہ اگر تو اس کی جگہ ہوتا اور یہاں گزرتا تو وہ راہ سے پھر کر آتا اور تیری قبر پر سلام کرتا۔

حدیث ۱۷ کہ فرماتے ہیں ۔

من احب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیه من بعدہ

رواہ ابو یعلی وابن حبان عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما

"جو چاہے کہ باپ کی قبر میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرے وہ باپ کے بعد اس کے عزیزوں دوستوں سے نیک برتاؤ رکھے۔"

حدیث ۱۸ کہ فرماتے ہیں ۔

من البران تصل صدیق ابیک. رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالی عنه

"باپ کے ساتھ نیکوکاری سے یہ ہے کہ تو اس کے دوست سے اچھا برتاؤ رکھے۔"

حدیث ۱۹ کہ فرماتے ہیں ۔

ان ابرار البران یصل الرجل اھل ذی ابیه بعد ان یولی الاب رواہ الائمة احمد والبخاری فی ادب المفرد و مسلم فی صحیحه وابوداود والترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنه

"بے شک باپ کے ساتھ نیکوکاریوں سے بڑھ کر یہ نیکوکاری ہے کہ آدمی باپ کے پیٹھ دینے کے بعد اس کے دوستوں سے اچھی روش پر رہتا ہے۔"

حدیث ۲۰ کہ فرماتے ہیں ۔

احفظ ودابیک لا تقطعه فیطفئ اللہ نورک "اپنے باپ کی دوستی نگاہ رکھ اسے قطع نہ کرنا کہ اللہ تیرا نور بجھا دے گا۔"

رواہ البخاری فی الادب المفرد والطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی الشعب عن ابن عمر رضی اللہ عنھما

حدیث ۲۱ کہ فرماتے ہیں ۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ تعالی و تعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامھات یوم الجمعة فیفرحون بحسناتھم و تزدادو جوھھم بیاضا واشراقا فاتقوا اللہ ولاتوذوا امواتکم. رواہ الامام الحکیم عن والد عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنه

ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو اللہ عزوجل کے حضور اعمال پیش ہوتے ہیں اور انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ماں باپ کے سامنے ہر جمعہ کو۔ وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی صفائی و تابش بڑھ جاتی ہے تو اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اپنے گناہوں سے رنج نہ پہنچاؤ۔

بالجملہ والدین کا حق وہ نہیں کہ انسان اس سے کبھی عہدہ برآ ہو وہ اس کے حیات و وجود کے سبب ہیں۔ تو جو کچھ نعمتیں دینی و دنیوی

پائے گا سب انہیں کے طفیل میں ہوئیں کہ ہر نعمت وکمال وجود پر موقوف ہے اور وجود کے سبب وہ ہوئے، تو صرف ماں یا باپ ہونا ہی ایسے عظیم حق کا موجب ہے جس سے بری الذمہ کبھی نہیں ہوسکتا نہ کہ اس کے ساتھ اس کی پرورش ہونے، ان کی کوششیں، اس کے آرام کے لئے ان کی تکلیفیں، خصوصاً پیٹ میں رکھنے، پیدا ہونے، دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں ان کا شکر کہاں تک ادا ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس کے لئے اللہ جل وعلی ورسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سائے اور ان کی ربوبیت ورحمت کے مظہر ہیں۔ لہذا قرآن عظیم میں جل جلالہ نے اپنے حق کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا کہ۔

ان اشکرلی ولوالدیک "حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔"

حدیث میں ہے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راہ میں ایسے گرم پتھروں پر کہ اگر گوشت کا ٹکڑا ان پر ڈالا جاتا کباب ہوجاتا، چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کرکے لے گیا ہوں۔ کیا اب میں اس کے حق سے ادا ہو گیا ہوں؟

رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لعلہ ان یکون بطلقۃ واحدۃ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن بریدۃ رضی اللہ تعالی عنہ

"تیرے پیدا ہونے میں جس قدر دردوں کے جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں شاید یہ ان میں ایک جھٹکے کا بدلہ ہوسکے۔"

اللہ عزوجل عقوق سے بچائے اور ادائے حقوق کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالی علی سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین امین والحمد للہ رب العلمین

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۴ ۷ اربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ ایک دعا قنوت کے بدلے میں تین بار قل ہو شخص نماز وتر کی تیسری رکعت میں بعد الحمد وقل کے تکبیر کہہ کر دعا قنوت اس کو نہیں آتی ہے۔ پس اس کی نماز وتر صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور وہ اگر ہر روز سجدہ سہو کرلیا کرے تو نماز وتر اس کی صحیح ہوجایا کرے گی؟ جواب عام فہم عطا فرمایئے۔ بینوا مفصلا توجروا کثیرا

الجواب نماز صحیح ہوجانے میں تو کلام نہیں نہ یہ سجدہ سہو کا محل کہ سہوا کوئی واجب ترک نہ ہوا۔ دعا قنوت اگر یاد نہیں تو یاد نہیں تو یاد کرنی چاہیئے کہ خاص اس کا پڑھنا سنت ہے اور جب تک یاد نہ ہو۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار

"اے ہمارے رب! دے ہم کو دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔"

پڑھ لیا کرے۔ یہ بھی یاد نہ ہو تو اللھم اغفرلی تین بار کہہ لیا کرے۔ یہ بھی نہ آئے تو صرف یارب تین بار کہہ لے واجب ادا ہوجائے گا۔ رہا یہ کہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب ادا ہوا یا نہیں کہ اتنے دنوں کے وتر کا اعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ادا ہو گیا کہ وہ ثنا ہے، اور ہر ثنا دعا ہے۔

بل قال العلامة القاری فغیرہ من العلماء کل دعاء ذکرو کل ذکر دعاء وقد قال صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم افضل الدعاء الحمدللّٰہ رواۃ الترمذی وحسنه النسائی وابن ماجة ابن حبان الحاکم وصححه عن جابر بن عبداللّٰہ رضی تعالی عنهما ھذا ولیحرر واللّٰہ تعالی اعلم

"بلکہ کہا علامہ قادری وغیرہ نے علماء میں سے ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے۔ اور تحقیق فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل دعا الحمدللہ ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابن حبان اور حاکم نے اور حسن کہا یا اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔ اسے یاد رکھ اور محفوظ رکھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۱۳ ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ کن کیا اڑانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی ڈور لوٹنا درست ہے یا نہیں؟ اگر اس کی ڈور لوٹی سے کپڑا سلوا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز میں کوئی خلل تو واقع نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب کن کیا اڑانا لہو ولعب ہے اور لہو ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے۔

کل لھو المسلم حرام الافی ثلث "مسلم کے لئے کھیل کی چیزیں سوائے تین چیزوں کے سب حرام ہیں۔"

ڈور لوٹنا نُہبیٰ ہے اور نُہبیٰ حرام ہے۔

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم عن النھبی

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹنے سے منع فرمایا۔"

لوٹی ہوئی ڈور کا مالک اگر معلوم ہو تو فرض ہے اسے دے دی جائے۔ اگر نہ دی اور بغیر اس کی اجازت کے اس سے کپڑا سیا تو اس کپڑے کا پہننا حرام ہے۔ اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا پھیرنا واجب ہے۔

للاشتمال علی المحرم کالصلوۃ فی الراض مغصوبۃ

"بوجہ شامل ہونے کے حرام پر جیسے ارض مغصوبہ پر نماز۔"

اور اگر مالک نہ ہو تو وہ لقطہ ہے یعنی پڑی پائی چیز۔ واجب ہے کہ اسے مشہور کیا جائے یہاں تک کہ مالک کہ مالک کے ملنے کی امید قطع ہو۔ اس وقت اگر یہ شخص غنی ہے تو فقیر کو دے دے۔ اور فقیر ہے تو اپنے صرف میں لا سکتا ہے۔ پھر جب مالک ظاہر ہو اور فقیر کے صرف میں آنے پر راضی نہ ہو تو اپنے پاس سے اس کا تاوان دینا ہوگا۔

کما ھو معروف فی الفقہ من حکم اللقطۃ واللہ سبحنہ وتعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۴ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ کتا پالنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کبوتر پالنا بلا اڑانے کے وبٹیر بازی ومرغ بازی وشکرا باز پالنا اور ان کا شکار پکڑوانا اور کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب شکرا و باز پالنا درست ہے اور ان سے شکار کرانا اور اس کا کھانا بھی درست ہے لقولہ تعالیٰ وما علمتم من الجوارح الایتہ یہ ضرور ہے کہ شکار غذا یا دوا یا کسی نفع کی غرض سے ہو۔ محض تفریح ولہو ولعب نہ ہو۔ ورنہ حرام ہے۔ یہ گنہگار ہوگا۔ اگرچہ ان کا مارا ہوا جانور جب کہ وہ تعلیم پا گئے ہوں اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہوا حلال ہو جائے گا۔

فان حرمتہ الارسال بنیۃ الاھولا ینافی کونہ ذکاۃ شرعیۃ کمن سمی اللّٰہ تعالی و ضرب الغنم من قفاہ حرم الفعل و حل الاکل

"پس تحقیق کھیل کی نیت سے چھوڑنے کی حرمت اس کے ذبح شرعی ہونے کے منافی نہیں۔ جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لے اور بھیڑ کو اس کی گدی کی طرف سے مارا۔ فعل حرام ہے اور کھانا حلال ہے۔"

بٹیر بازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں، لال لڑاتے ہیں، یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کی ایذا ہے۔

حدیث میں ہے۔

نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن التحريش بين البهائم اخرجه ابو داود والترمذى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما وقال الترمذى حسن صحيح

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا۔''

کبوتر پالنا جب کہ خالی دل بہلانے کے لئے ہو اور کسی امر ناجائز کی طرف مودی نہ ہو جائز ہے۔ اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمان عورات پر نگاہ پڑے، یا ان کے اڑانے کو کنکریا پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں کسی کی آنکھ پھوڑیں۔ یا پرائے کبوتر پکڑے یا ان کا دم بڑھانے اور اپنا تماشا ہونے کے لئے دن دن بھر انہیں بھوکا اڑائے۔ جب اترنا چاہیں نہ اترنے دے تو ایسا پالنا حرام ہے۔

درمختار میں ہے۔

ويكره (يكره امسك الحمامات) ولوفى بجها (ان كان يضربا لناس) بنظر اوجلب (فان كان يطيرها فوق السطح مطلقا على عورات المسلمين و يكسر زجاجات الناس برمية تلك الحمامات عزرو منع اشد المنع فان لم يمتنع ذبحها المحتسب) واما للاستناس فمباح باختصار

''اور مکروہ ہے (مکروہ ہے بند رکھنا کبوتروں کا) اگر چہ ان کے برجوں میں ہو (اگر لوگوں کو ضرر ہوتا ہو) اگر یہ ضرر بوجہ نظر کے ہو، یا دوسروں کے کبوتر کھینچنے سے۔ پس اگر چھت پر اڑاتا ہو جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہو اور کبوتروں کی کنکریوں سے لوگوں کے شیشے ٹوٹتے ہوں تو اڑانے والے پر تعزیر کی جائے گی اور سختی سے منع کیا جائے گا۔ اگر نہ رکے تو کوتوال انہیں ذبح کر دے اگر اڑانے کے لئے نہ ہوں بلکہ صرف کبوتروں کے ساتھ انس کی وجہ سے تو یہ مباح ہے۔ اھ باختصار''

صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عمر اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

دخلت النار امراة فى هرة ربطها فلم تطعمها تاكل من خشاش الارض

''ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا نہ آپ کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھا لیتی۔''

ابن حبان کی حدیث میں ہے فهى تنهشر قبلها ودبرها (وہ بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آگا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے)۔

ایک حدیث میں حکم ہے کہ جو جانور پالو دن میں ستر بار اسے دانہ پانی دکھاؤ۔ نہ کہ گھنٹوں پہروں بھوکا پیاسا رکھو اور نیچے آنا چاہے تو آنے نہ دو۔ علماء فرماتے ہیں جانور پر ظلم کافر ذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافر ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے اشد ہے کما فی در المختار وغیرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

الظلم ظلمات یوم القیمة ظلم ظلمتیں ہوگا قیامت کے دن۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الالعنة اللہ علی الظلمین سن لو! اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔

کتا پالنا حرام ہے جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لاتدخل المالئکة بیتا فیه کلب ولا صورة رواہ احمد والشیخان الترمذی والنسائی و ابن ماجة عن ابی طلحه رضی اللہ تعالی عنه

''فرشتے نہیں آتے اس گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو۔''

اور فرماتے ہیں۔

من اقتنی کلبا الا کلب مشیة اوضار یا نقص من عمله کل یوم قیراطان رواہ احمد والشیخان والترمذی النسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما

''جو کتا پالے مگر گلے کا کتا یا شکار۔ روز اس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں (ان قیراطوں کی مقدار اللہ و رسول جانیں ﷺ)''

تو صرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے۔ ایک شکار جسے کھانے یا دوا وغیرہ منافع صحیح کے لئے شکار کی حاجت ہو نہ شکار تفریح کہ وہ خود حرام ہے۔ دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے پالا جائے جہاں حفاظت کی سچی حاجت ہو۔ ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چور لیں۔ یا مکان محفوظ جگہ ہے کہ چور کا اندیشہ نہیں۔ غرض جہاں یہ اپنے دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے اصل میں کتے کا شوق ہے وہاں جائز نہیں۔ آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر نے کتے کے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں حیلے نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔

واللہ تعالی اعلم

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۱۵ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جسم میں پیوستہ ہوگئے ہیں اور بہت سا جسم اس کا چبا ڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے۔ ابھی جان باقی ہے۔ پس اس کو ذبح کرکے کھا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب اگر مسلمان یا کتابی عاقل نے کہ احرام میں نہ ہو، بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے، خود نہ کھانے لگے، غیر حرم کے حلال جانور وحشی پر جو اپنے پروں یا پاؤں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا۔ اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا۔ یا اس کے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہو گیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مار ڈالا ایسا مجروح کردیا کہ اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کہ کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور کتے کے چھوڑنے میں کوئی کافر، مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کا کے اکثر نصاریٰ اور رافضی اور عام نیچری وغیرہ ہم خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا۔ نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے ناتعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا اور کسی ایسے جانور کے جس کا شکار ناجائز ہو اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا تو وہ جانور بے ذبح حلال ہو گیا۔ اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہو جائے گا۔ ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہو جائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے۔

(الصید مباح بخمسة عشر شرطا) خمسة فی الصائد و هو ان یکون من اهل الذکاة وان یوجد منه الارسال وان لایشارکه فی الارسال من لایحل صیده وان لایترک التسمیة عامدا او ان لا یشتغل بین الارسال والاخذ بعمل اخر و خمسة فی الکلب ان یکون معلما وان یذهب علی سنن الارسال وان لایشارکه فی الاخذ مالاعحل صیده وان یقتله جرحا وان لا یاکل منه و خمسة فی الصید ان لا یکون من الحشرات وان لایکون عن نبات الماء الا السمک وان یمنع نفسه بجناحیه اوقوائمه وان لایکون متقوتا بنابه اوبمخلبه و ان یموت بهذا قبل ان یصل الی ذبحه اه. قلت و معنی قوله ان یموت ای حقیقة اوحکما بان لا یبقی فیه حیاة فوق المذبوح کما نص علیه فی الدرر وصححه المحشی

شکار پندرہ شرطوں کے ساتھ مباح ہے پانچ شرطیں شکار میں ہوں گی وہ یہ ہیں کہ (۱) شکار ذبح کا اہل ہو (۲) شکاری جانور اسی نے چھوڑا ہو (۳) اور اس کے اس فعل میں کوئی ایسا آدمی شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہ ہو (۴) جان بوجھ کر بسم اللہ ترک نہ کی ہو (۵) شکاری جانور چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی اور فعل میں مشغول نہ ہوا ہو۔ اور پانچ شرطیں کتے میں ہیں۔ (۱) کتا سیکھا ہوا ہو (۲) اور چھوڑنے کے بعد سیدھا شکار ہی کی طرف گیا ہو۔ (۳) شکار پکڑنے میں کوئی ایسا کتا شریک نہ

ہوا ہو جس کا شکار حلال نہ ہو (۴) شکار کو زخمی کر کے قتل کرے (۵) اس سے کتا خود نہ کھائے۔ پانچ شرطیں شکار میں ہیں۔ (۱) حشرات الارض میں سے نہ ہو (۲) مچھلی کے علاوہ کوئی آبی جانور نہ ہو (۳) وہ جانور اپنے پروں یا پاؤں کی طاقت سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہو (۴) وہ جانور اپنے پنجے یا ڈاڑھ کے ساتھ غذا نہ حاصل کرتا ہو (۵) اور شکاری کے ذبح کرنے سے پہلے ہی مر گیا ہو۔ میں نے کہا ہے قول اس کا کہ مرجائے یعنی حقیقتاً مرجائے یا حکماً یعنی اس میں اتنی ہی زندگی باقی ہو جتنی مذبوح جانور میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ در میں اس کی تصریح ہے محشی نے اسے ترجیح دی ہے۔ انہیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صید ا فصید الحرم لا تحله الذکاة مطلقا (او کتابیا ولومجنونا) اه در ملخلصا المرادبه المعتوه کما فی العنایة عن النهایة لان المجنون لا قصدله ولا نیة لان التسمیة شرط بالنص وهی بالقصد وصحة القصد بما ذکرنا یعنی قوله اذا کان یعقل التسمیة الذبیحة و یضبط اه

"شرط ہونے ذابح کی مسلم، غیر محرم، خارج حرم اگر ہو شکار۔ پس حرم کے شکار کا ذبح کرنا جائز نہیں مطلقاً (ذابح یا کتابی ہو اگرچہ مجنون ہو) ھ۔ در ملخصا۔ مجنون سے مراد ضعیف العقل ہے۔ جیسا کہ عنایہ میں ہے نہایہ سے۔ کیونکہ مجنون کا تو قصد اور نیت ہی نہیں ہوتی۔ چونکہ بسم اللہ شرط ذبح ہے نص کے ساتھ اور وہ قصد کے ساتھ ہو سکتی ہے اور صحت قصد ساتھ اس کے ہے جس کا ہم ذکر کیا ہے۔ یعنی قول اس کا جس وقت سمجھتا ہو بسم اللہ اور ذبح کو اور یاد رکھتا ہو۔"

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے۔ اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔ اس کے دانت جسم میں پیوستہ ہو جانا وجہ ممانعت نہیں ہو سکتا۔ قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کیے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کر کے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے، شکار کے بدن کو نجس کرے گا دو وجہ سے غلط ہے۔ اولاً شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔

والذا فرق جمع من العلماء فی اخذه طرف الثوب ملاطفا فینجس او غضبان فلا

اور اسی لئے علماء کی ایک جماعت نے فرق کیا بیچ پکڑنے کتے کے کنارہ کپڑے کا پیار سے اور غضب سے بصورت اول کپڑا نجس ہو گا۔ ثانی صورت میں پاک رہے گا۔ ثانیاً اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہو جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۱۶ ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس صورت میں کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی نماز میں تو کوئی خلل واقع نہیں ہوتا؟ اور نمازی کے آگے سے کس قدر دور تک گزر کرنا نہ چاہئے؟

الجواب نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ نکلنے والا گناہگار ہوتا ہے۔ نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوار تک قبلہ نکلنا جائز نہیں جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضع سجود تک نکلنے کی اجازت نہیں۔ اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ موضع سجود کے یہ معنی کہ آدمی جب قیام میں اہل خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر یعنی جہاں سجدہ میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جما ہے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے۔ جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع سجود ہے۔ اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز درمختار میں ہے۔

مرور مارفی الصحراء اوفی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح اومرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت مسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ

"گزرنا گزرنے والے کا جنگل میں یا بڑی مسجد میں اس کے سجدہ کی جگہ سے بیچ اصح روایت کے یا گزرنا اس کا اس کے آگے سے قبلہ کی سمت والی دیوار تک گھر میں اور چھوٹی مسجد میں کیونکہ وہ ایک جگہ کی طرح ہے۔"

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ بمضع سجودہ ای من موضع قدمہ الی موضع سجودہ کما فی الدر روھذا مع القیود التی بعدہ انما ھو للاثم والافالفساد منتف مطلقا قولہ فی الاصح صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخرالاسلام ورجحہ فی النہاھۃ والفتح انہ قدر ما یقع بصرہ علی الماء لوصلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ اھ مختصرا

"اس کا کہنا بموضع سجودہ یعنی اس کے قدموں کی جگہ سے لے کر سجدہ کی جگہ تک جیسا کہ درر میں ہے یہ اور اس کے بعد والی قیود صرف گزرنے والے کا گناہ ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ رہی نماز تو وہ مطلقاً فاسد نہیں ہوتی اس کا قول فی لاصح صحیح کہا ہے اس کو تمرتاشی اور صاحب بدائع نے اور پسند کیا اس کو فخر اسلام نے اور ترجیح دی اس کو نہایہ اور فتح میں تحقیق اس کا اندازہ یہ ہے کہ جہاں تک اس کی نگاہ گزرنے والے پر پڑے۔ اگر خشوع کے ساتھ نماز پڑھے یعنی اپنی نگاہ جائے سجدہ پر رکھنے والا ہو۔ مختصراً"

منحۃ الخالق میں تجنیس سے ہے۔

الصحیح مقدار منتھی بصرہ وھو موضع سجودہ قال ابو نصر مقدار مابین الصف الاول و بین مقام الام و ھذا عین الاول ولکن لعبارۃ اخری اوفیما قرانا علی شیخنا منہاج الائمۃ رحمہ اللّٰہ تعالی ان یمر بحیث یقع بصرہ وھو یصلی صلوۃ الخاشعین وھذہ العبارۃ اوضح

”صحیح مقدار حد نگاہ اس کی اور وہ اس کی جائے سجدہ ہے۔ ابونصر نے کہا ہے اس کی مقدار اتنی مسافت جتنی امام صف اول کے درمیان ہوتی ہے۔ اور یہ بعینہ پہلی بات ہے عبارت اور ہے۔ یا یہ اس کے جو پڑھی ہم نے اپنے شیخ منہاج الائمہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کہ گزرے جہاں کہ نمازی کی نگاہ پڑتی ہو جب کہ وہ خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو۔ یہ عبارت پہلی سے زیادہ واضح ہے۔“

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فانظر کیف جعل الکل قولا واحد او انما الاختلاف فی العبارۃ لا فی المعنی

”پس دیکھ کس طرح کیا ہے اس نے تمام کو ایک قول اور اختلاف صرف عبارت میں ہے معنی میں نہیں ہے۔“

نیز ردالمحتار میں ہے۔

(قولہ فی بیت) ظاھرہ ولو کبیرا فی القھستانی وینبغی ان یدخل فیہ ای فی حکم المسجد الصغیر الدار والبیت

”(اس کا یہ کہنا کہ گھر میں) اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ گھر اگرچہ بڑا ہو۔ قہستانی میں ہے اور لائق ہے کہ داخل ہوں چھوٹی مسجد میں حویلی اور گھر۔“ رہا یہ کہ مسجد صغیر و کبیر میں کیا فرق ہے؟ فاضل قہستانی نے لکھا کہ چھوٹی مسجد کہ چالیس گز مکسر سے کم ہو۔

فی ردالحتار مسجد صغیر ھو اقل من ستین ذرا عاوقیل من اربعین وھو المختار کما اشار الیہ فی الجواھر

”ردالمحتار میں ہے چھوٹی مسجد وہ ہے جو ساٹھ گز سے کم ہو اور کہا گیا ہے چالیس سے اور یہی مختار ہے جیسا کہ اشارہ کیا اس کی طرف جواہر میں۔“

اقول یہاں گز سے گز مساحت مراد ہونا چاہئے۔

لانہ الالیق بالممسوحات کما قال الامام قاضی خان فی الماء فھھنا ھو المتعین باولی

”کیونکہ وہی زیادہ لائق ہے پیمائش کردہ چیزوں کے ساتھ جیسا کہ کہا ہے قاضی خاں نے پانی کے بارہ میں۔ پس یہاں بطریق اولی وہی متعین ہے۔“

اور گز مساحت ہمارے اس گز سے کہ اڑتالیس انگل یعنی تین فٹ کا ہے ایک گز دو گرہ اور وہ تہائی گرہ ہے کما بیناہ فی بعض فتاوٰنا تو اس گز سے چالیس گز مکسر ہمارے گز سے چوون (۵۴) گز سات گرہ اور گرہ کا نواں حصہ ہوا۔ کما لا یخفی علی المحاسب تو اس زعم علامہ پر ہمارے گز سے چوون (۵۴) گز سات گرہ مکسر مسجد صغیر ہوئی۔ اور ساڑھے چون گز مکسر مسجد کبیر۔ یہ ہے وہ کہ انہوں نے لکھا اور علامہ شامی نے ان کا اتباع کیا۔

اقول مگر یہ شبہ ہے کہ فاضل مذکور کو عبارت جواہر سے گزرا۔ عبارت جواہر الفتاوٰی دربارہ دار ہے، نہ دربارہ مسجد۔ مسجد کبیر صرف وہ ہے جس میں مثل صحرا اتصال صفوف شرط ہے۔ جیسے مسجد خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے۔ باقی تمام مساجد اگرچہ دس ہزار گز مکسر ہوں مسجد صغیر ہیں اور ان میں دیوار قبلہ تک بلا حائل مرورنا جائز۔ کما بیناہ فی فتاونا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۷ ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک جگہ بیٹھے ہیں اور ایک شخص نے آکر کہا السلام علیکم۔ اس کے جواب میں انہوں نے جواب دیا۔ ''آداب عرض'' یا ''تسلیمات'' یا ''بندگی'' یا ایک شخص نے اپنا ہاتھ ماتھے تک اٹھا دیا اور منہ سے کچھ جواب نہ دیا۔ پس فرض کفایہ اشخاص مذکورہ کے ذمہ سے اس صورت میں اٹھ گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب نہ۔ اور سب گناہگار ہے۔ جب تک ان میں کوئی وعلیکم السلام یا علیک یا السلام علیکم نہ کہے۔ کہ الفاظ مذکورہ بندگی، آداب، تسلیمات وغیرہ الفاظ سلام سے نہیں۔ اور صرف ہاتھ اٹھا دینا کوئی چیز نہیں جب تک اس ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔ ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے۔

لفظ السلام فی المواضع کلھا السلام علیکم و بالتنوین و بدون کما ھذین یقول الجھال لایکون سلاما اہ اقول فلا یکون جوابا لان جواب السلام لیس الابالسلام اما وحدہ اوبزیادۃ الرحمۃ والبرکات لقولہ تعالی اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا و معلوم ان ماختر عوامن الالفاظ او الاجتزاء بالایماء اما ان یکون تحیۃ اولا علی الثانی عین الثانی عدم براء ۃ الذمۃ ظاھر لان المورابہ التحیۃ و علی الاول لیس عین الثانی عدم براء ۃ الذمۃ ظاھر لان الماموربہ التحیۃ و علی الاول لیس عین السلام وھوظاھر ولا احسن منہ فان المخترع لایمکن ان یکون احسن من الموارد فخرج عن کلا الوجھین وبقی الواجب الکفائی علی کل عین

''سلام کا لفظ تمام مواضع میں السلام علیکم یا ساتھ تنوین کے اور ان دونوں کے علاوہ جیسے جاہل کہتے ہیں سلام نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں پس نہ ہوگا جواب کیونکہ جواب سلام کا یا تو اکیلے سلام کے ساتھ ہوگا یا ساتھ زیادتی رحمت اور برکات کے بوجہ فرمان اللّٰہ تعالٰی کے اور جب سلام دیئے جاؤ تم ساتھ سلام کے پس سلام دو تم ساتھ اچھے سلام کے اس سے یا وہی لوٹا دو۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو ان لوگوں نے اختراع کئے ہیں الفاظ ہوں یا اشارات یا تو یہ سلام ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ بصورت ثانی بری الذمہ نہ ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ ماموربہ سلام ہے اور بصورت اول یہ اختراعات نہ تو عین سلام ہیں اور نہ اس سے اچھے کیونکہ مخترعات واردفی الشرع سے

اچھے نہیں ہوسکتے پس دونوں وجہوں سے خارج ہوگیا اور واجب کفائی ہر ایک کے ذمہ میں باقی رہا۔"

مرقاۃ شریف میں ہے۔

قد صح بالاحادیث المتواترۃ معنی ان السلام باللفظ سنۃ وجوابہ واجب کذلک

"احادیث متواترہ معنی کے ساتھ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ سلام ساتھ لفظ کے سنت ہے اور جواب اس کا واجب ہے اسی طرح۔"

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے۔

لیس منامن تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھو و ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالا صابع و تسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف رواہ الترمذی عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما وقال اسنادہ ضعیف. قال العلمۃ القاری لعل وجھہ انہ عن عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ و قد تقدم الخلاف فیہ وان المعتمد ان سندہ حسن لاسیما و قد اسندہ السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمر و فارتفع النزاع و زال الاشکال اہ

"ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے غیروں کی شکل بنے۔ نہ یہود سے مشابہت پیدا کرو نہ نصاری سے کہ یہود کا سلام انگلی سے اشارہ ہے اور نصاری کا سلام ہتھیلی سے اشارہ روایت کیا اس کو ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے اور کہا ہے اسناد اس کی ضعیف ہے۔ کہا ہے علامہ علی قاری نے شاید وجہ اس کی تحقیق وہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے اور تحقیق اس بارہ میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے اور اس بارہ میں قابل اعتماد بات یہ ہے کہ یہ سند حسن ہے۔ خصوصاً جب کہ سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث ابن عمرو کی سند سے بیان کی ہے۔ پس نزاع اٹھ گئی اور اشکال زائل ہوگیا اھ"

اقول رحم اللہ مولانا القاری انما احالہ الامام السیوطی علی ت یعنی الترمذی فیضم یرتفع النزاع و یزول الاشکال ثم لیس تضعیف الترمذی لماظن فان الجمھور و منھم الترمذی علی الاحتجاج بعمرو بن شعیب و بروایۃ عن ابیہ عن جدہ بل الوجہ انہ من روایۃ ابن لھیعۃ انہ یقول الترمذی حدثنا قتیبۃ ابن لھیعۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم قال فذکرہ قال الترمذی ھذا حدیث اسنادہ ضعیف و روی ابن المبارک ھذا الحدیث عن ابن لھیعۃ فلم یرفعہ اہ وقد قال فی کتاب النکاح باب ماجاء فی من یتزوج المراۃ ثم یطلقھا قبل ان یدخل بھا لحدیث رواہ بعین السند ھذا حدیث لایصح ابن لھیعۃ یضعف فی الحدیث اہ مختصرا و کذا ضعفہ فی غیر ھذا المحل فالیہ یشیر ھھنا نعم الاظھر عندی ان حدیث ابن لھیعۃ لا ینزل عن الحسن و قد صرح المناوی فی التیسیر ان حدیثہ حسن

"میں کہتا ہوں اللہ تعالی ملا علی قاری پر رحم کرے سیوطی نے تو اس حدیث کا حوالہ ت یعنی ترمذی دیا ہے۔ پس ضم کیا یرتفع النزاع و یزول الاشکال۔ پھر نہیں تضعیف ترمذی کی جیسا گمان کیا اس نے کیونکہ جمہور علماء جن میں ترمذی بھی شامل ہیں اس بات پر ہیں کہ

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ تحقیق فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتجاج جائز ہے بلکہ وجہ ضعف یہ ہے وہ روایت ابن لہیعہ سے ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں ہیں حدیث بیان کی ہم سے قتیبہ بن امیہ نے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بے شک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس ذکر کیا اس کو۔ کہا ہے ترمذی نے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور روایت کیا ابن مبارک نے اس حدیث کو ابن لہیعہ سے پس اس کا رفع نہیں کیا اھ اور تحقیق کہا ہے کتاب النکاح میں باب اس کا جو آیا بیچ اس کے جو نکاح کرے عورت سے پھر طلاق دے اس کو پہلے اس کے کہ دخول کرے ساتھ اس کے واسطے حدیث کے جو عین اسی سند سے روایت کی ہے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ابن لھیعہ حدیث میں ضعیف کیا گیا ہے اور اسی طرح اسے کئی جگہوں پر اس کے علاوہ بھی ضعیف کیا ہے پس اسی کی طرف یہاں اشارہ کرتے ہیں۔ ہاں اظہر میرے نزدیک یہ ہے کہ ابن لھیعہ کی حدیث حسن سے کم درجہ نہیں اور مناوی نے تیسیر میں تصریح کی ہے اس کے حسن کے ساتھ۔ ہاں لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔

اخرج لاترمذی قال حدثنا سوید نا عبداللّٰہ بن المبارک نا عبد الحمید بھرام انہ سمع شھر ابن خوشب یقول سمعت اسماء بنت یذید تحدث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ و سلم مرفی المسجد یوما و عصبۃ من النساء قعود فالوی بیدہ بالتسلیم و اشار عبدالحمید بیدہ ھذا حدیث حسن الخ قال الامام النووی و ھو محمول علی انہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ و سلم جمع بین اللفظ والاشار ۃ و یدل علی ھذا ان ابا داود روی ھذا الحدیث و قال فی روایۃ فسلم علینا اہ قال العلامۃ القاری بعد نقلہ قلت علی تقدیر عدم تلفظہ علیہ الصلوۃ والسلام بالسلام لامخدور فیہ لانہ ماشرع السلام علی من مرعلی جماعۃ من النسوان و ان ما عنہ علیہ الصلوۃ والسلام مما تقدم من اسلام المصرح فھو من خصوصیاتہ علیہ الصلوۃ والسلام فلہ ان یسلم و ان لا یسلم وان یشیر ولا یشیر علی انہ قدیر ادبالاشارۃ مجرد التواضع من غیر قصد السلام الخ

"حدیث بیان کی ترمذی نے کہا حدیث بیان کی ہم سے سوید نے ان سے عبداللہ بن مبارک نے ان سے عبدالحمید بہرام نے تحقیق انہوں نے سنا شہر بن خوشب سے وہ فرماتے ہیں میں نے اسماء بنت یزید کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد سے گزرے اور عورتوں کا ایک گروہ بیٹھا تھا۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا اور عبدالحمید نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ الخ۔ امام نووی نے کہا یہ حدیث محمول ہے اس پر کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا درمیان لفظ اور اشارہ کے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد نے یہ حدیث روایت کی اس میں یہ بھی ہے پس سلام کیا جناب نبی علیہ السلام پر اھ۔ علامہ ملا علی قاری نے اس کے نقل کرنے کے بعد کہا ہے میں نے کہا ہے بر تقدیر عدم تلفظ بالسلام کے بھی کوئی اعتراض نہیں چونکہ عورتوں کی جماعت پر گزرنے والے پر عورتوں کا سلام کرنا مشروع ہی نہیں باقی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سلام کرنا۔ تو یہ جناب کے خصوصیات میں سے ہے پس آپ کو اختیار تھا کہ سلام کرتے یا نہ کرتے اشارہ کرتے یا نہ کرتے۔ علاوہ ازیں بعض دفعہ اشارہ سے

ارادہ سلام کا نہیں ہوتا بلکہ محض تواضع مراد ہوتی ہے آخر تک۔"

اقول مبنی کلہ علی انہ لم یرد السلام ولا یظہر فرق بین ما ذکرا ولا وما زاد فی العلاوۃ سوی انہ ذکر فیھا للاشارۃ محملا وھو التواضع وھذہ شاھدۃ الواقعۃ سیدتنا اسماء رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا شاھدۃ بانہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فان لم یحمل علی التلفظ لزم ان تکون نفس الاشارۃ تسلیما وھو معلوم الانتفاء من الشرع فوجب الحمل علی الجمع تامل لعل لکلامہ محملا لست احصہ واللّٰہ سبحنہ و تعالٰی اعلم و علمہ وجل مجدہ اتم و احکم

میں کہتا ہوں اس تمام تقریر کا مدار اس بات پر ہے کہ سلام وارد نہیں ہوا اور ان کے پہلے بیان میں لفظ علاوہ کے بعد کے بیان میں کوئی خاص فرق نہیں سوائے اس کے کہ اس میں اشارہ کا ایک محل بیان کر دیا ہے یعنی تواضع اور اس واقعہ کی گواہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا گواہی دیتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام کیا ہے۔ پس اگر اس کو تلفظ سلام پر حمل نہ کریں تو پھر اشارہ کو سلام ماننا پڑے گا۔ اور اشارہ کا سلام نہ ہونا شروع میں ثابت ہو چکا ہے۔ پس واجب ہے حمل کرنا اس کا اوپر جمع بین الاشارہ والتلفظ کے۔ غور کر شاید ان کے کلام کا ایسا محمل ہے جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۸ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ۔

بعالی خدمت امام اہل سنت مجدد دین وملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا۔ بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے۔ میں چلا گیا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیرانِ پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔ کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے؟ اور یہ حاضرین جلسہ گناہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی؟

الجواب ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گناہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں کا ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کے گناہ جانے سے قوالوں پر سے

گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو۔نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔ وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا ان کیلئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا تو نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔

كما قالوا في سائل قوى مرة سوى ان الاخذ والمعطى اثمان لانهم لولم يعطوا لما فعلوا فكان العطاء هو الباعث لهم على الاهستر سال في التكدى و السوال و هذا كله ظاهر على من عرف القواعد الكريمة الشرعية و بالله التوفيق

"جسے کہا ہے فقہا نے اس سائل کے بارے میں جو طاقتور تندرست ہو کہ ایسا خیرات لینے والا اور ایسے کو دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔ کیونکہ دینے والے اگر نہ دیں تو وہ بھی یہ گداگری کا مذموم کاروبار نہ کریں۔ پس ان کی عطا ان کی گداگری کا باعث بنی۔ اور یہ سب قواعد شرعیہ جاننے والے پر ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی ہے توفیق۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذلک من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل اثام من تابعه لا ينقص ذالک من اثامهم شئا

"جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا اتباع کریں ان سب کے برابر ثواب پائے اور اس سے ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ آئے اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے جتنے اس کے بلانے پر چلیں ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف راہ نہ پائے۔"

رواه الائمة احمد و مسلم و الاربعة عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ اجل و اعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے۔

ليكونن فى امتى اقوام يستحلون الحر اولحرير و الخمر والمعازف. حديث صحيح جليل متصل و قدا خرجه ايضا احمد و ابوداود و ابن ماجة والا سمعيلى و ابونعيم باسانيد صحيحة لا مطعن فيها و صححه جماعة اخرون من الائمة كما قاله بعض الحفاظ قاله الامام ابن حجر فى كف الرعاع

ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور

باجوں کو۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے۔ پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے۔ یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں۔ اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشت قدست اسرارھم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ وعنہم وعنا بہم فوائد الفواد شریف فرماتے ہیں۔

"مزامیر حرام است"

مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کے زمانہ مبارکہ میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ "کشف القناع عن اصول السماع" تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد فرمادیا کہ:

اما سماع مشائخنا رضی اللّٰہ تعالی عنھم فبری عن ھذہ التھمة وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة اللّٰہ تعالی

"ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے وہ صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں۔"

للہ انصاف! اس امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آج کل کے مدعیان خامکار کی تہمت بے بنیاد ظاہرۃ الفساد۔

لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم

سیدی مولانا محمد بن مبارک بن محمد علوی کرمانی مرید حضور پرنور شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر و خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ قدس اللّٰہ سرہ العزیز می فرمود کہ چند این چیز می بایدتا سماع مباح می شود. مسمع و مستمع و مسموع آلہ سماع مسمع یعنی گوئندہ مرد تمام باشد کودک نباشد و عورت نباشد مستمع آنکہ می شنود ازیاد حق خالی نباشد و مسموع آنچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد و آلہ سماع مزامیرست چون چنگ و رباب و مثل آن می باید کہ درمیان نباشد این چنین سماع حلال ست.

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ چند شرائط ہوں تو سماع مباح ہوگا۔ کچھ شرطیں سنانے والے میں کچھ

سننے والے میں کچھ اس کلام میں جو سنائی جائے۔ کچھ آلہ سماع میں یعنی سنانے والا کامل مرد ہو چھوٹا لڑکا نہ ہو اور عورت نہ ہو۔ سننے والا یادِ خدا سے غافل نہ ہو اور جو کلام پڑھی جائے فحش اور تمسخرانہ انداز کی نہ ہو۔ اور آلات سماع یعنی مزامیر جیسے سارنگی اور رباب وغیرہ۔ چاہئے کہ ان چیزوں میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ اس طرح کا سماع حلال ہے۔

مسلمانو! یہ فتویٰ ہے سرور و سردار سلسلہ عالیہ چشت حضرت سلطان اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا۔ کیا اس کے بعد بھی مفتریوں کو منہ دکھانے کی گنجائش ہے؟

نیز سیر الاولیاء شریف میں ہے۔

یکے بخدمت حضرت سلطان المشائخ عرض داشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشان آستانہ دار در مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقص کردند. فرمود نیکو نکردہ اندآنچہ نامشروع ست ناپشندیدہ بایشان گفتند کہ شماچہ کر دید در آں مجمع مزامیر بود سماع چگونہ شنیدید و رقص کردید ایشان جواب دادند کہ ماچناں مستغرق سماع بودیم کہ ندانستیم کہ اینجا مزامیر است یانہ. حضرت سلطان المشائخ فرمود ایں جواب ہم چیزے نیست ایں سخن درھمہ معصیتہابیاید

"ایک آدمی نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کی کہ ان ایام میں بعض آستانہ دار درویشوں نے ایسے مجمع میں جہاں چنگ و رباب اور دیگر مزامیر تھے رقص کیا۔ فرمایا انہوں نے اچھا کام نہیں کیا جو چیز شرع میں ناجائز ہے ناپسندیدہ ہے اس کے بعد ایک نے کہا۔ جب یہ جماعت اس مقام سے باہر آئی لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ وہاں تو مزامیر تھے تم نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس طرح سماع میں مستغرق تھے کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ یہاں مزامیر ہیں یا نہیں سلطان المشائخ نے فرمایا یہ جواب کچھ نہیں اس طرح تو تمام گناہوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔"

مسلمانو! کیسا صاف ارشاد ہے کہ مزامیر ناجائز ہیں اور اس عذر کا کہ ہمیں استغراق کے باعث مزامیر کی خبر نہ ہوئی۔ کیا مسکت جواب عطا فرمایا کہ ایسا حیلہ ہر گناہ میں چل سکتا ہے۔ شراب پئے اور کہہ دے شدت استغراق کے باعث ہمیں خبر نہ ہوئی کہ شراب یا پانی۔ زنا کرے اور کہہ دے غلبہ حال کے سبب ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جورو ہے یا بیگانی اسی میں ہے۔

حضرت سلطان المشائخ فرمود من منع کردہ ام کہ مزامیر ومحرمات درمیان نباشد و دریں باب بسیار غلو کردتا بحدیکہ گفت اگر امام راسہو افتد مرد تسبیح اعلام کند وزن سبحان اللہ نگوید زیرا کہ نشاید آواز آں شنودن پس پشت دست بر کف دست زند و کف دست بر کف دست نزند کہ آں بلھومی ماندتا ایں غایت ازملاھی و امثال آں پرہیز آمدہ است. پس در سماع بطریق اولی کہ ازیں بابت نباشد یعنی در منع دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس در سماع مزامیر بطریق اولی منع است اہ باختصار

"حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا میں نے منع کر رکھا ہے کہ مزامیر اور دیگر محرمات درمیان نہ ہوں اور اس بات میں آپ نے بہت مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا اگر امام نماز میں بھول جائے مرد تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو مطلع کرے اور عورت سبحان اللہ نہ کہے کیونکہ اس کو اپنی آواز سنانا نہ چاہئے۔ پس ایک ہاتھ ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر نہ مارے کہ اس طرح یہ کھیل ہوگا۔ بلکہ ہاتھ کی پشت دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے جب یہاں تک لہو ولعب کی چیزوں اور ان کی طرح چیزوں سے پرہیز آئی ہے تو سماع میں مزامیر بطریق اولی منع ہیں۔"

مسلمانو! جو ائمہ طریقت اس درجہ احتیاط فرمائیں کہ تالی کی صورت کو ممنوع بتائیں وہ اور معاذ اللہ مزامیر کی تہمت للہ انصاف کیسا خبط بے ربط ہے۔ اللہ اتباع شیطان سے بچائے اور ان سچے محبوبان خدا کا سچا اتباع عطا فرمائے۔ آمین الہ الحق آمین۔ بجاہہم عندک آمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔ کلام یہاں طویل ہے اور انصاف دوست کو اسی قدر کافی ہے۔ واللہ الھادی

واللہ تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۱۹ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چومنا ناخنوں کا وقت لینے نام پاک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے کہ اذان یا خطبہ میں جس وقت نام پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آتا ہے چومتے ہیں از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب اذان میں نام اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر ناخن چوم کر آنکھوں سے لگانے کو علماء نے مستحب فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند الثانیۃ منھا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین. فانہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یکون قائد الہ الی الجنۃ. کذافی کنز العباد اہ قھستانی و نحوہ فی الفتاوی الصوفیہ

"یعنی مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشھد ان محمد رسول اللہ سُنے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہ اور جب دوبارہ سنے قُرت عینی بک یا رسول اللہ یعنی میری آنکھ حضور سے ٹھنڈی ہوئی یارسول اللہ۔ پھر کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر الٰہی مجھے شنوائی اور بینائی سے بہرہ مند فرما۔ اور یہ کہنا انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رکاب اقدس میں اسے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔ یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہے اور اسی کے مانند فتاوی صوفیہ میں ہے۔

فقیر نے اس مسئلہ میں ایک مبسوط کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" لکھی جس نے مانعین کے تمام شبہات بحمد للہ تعالی رفع کئے اور علوم حدیث کے متعلق بکثرت افادے دیئے مگر خطبے میں نہ چاہئے کہ وہاں محض خاموشی کا حکم ہے۔

کما بیناہ فی فتاونا واللہ سبحنہ و تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چراغ جلانا مزارات اولیاء کرام پر اور روشنی کرنا بزرگان دین کی قبور پر جائز ہے یا نہیں؟ اور چادریں چڑھانا بزرگوں کی زیارتوں پر مع باجہ کے جیسا کہ آج کل فی زمانہ دستور ہے کہ ہر جمعرات کو چراغ جلاتے ہیں چادریں رنگین سبز سرخ مع باجہ کے لاتے اور چڑھاتے ہیں۔ اور جو اشیاء کہ شیرینی یا چاول وغیرہ لاتے ہیں ان کی قبروں پر رکھ کر فاتحہ دیتے ہیں پس یہ از روئے قرآن وحدیث درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اقول و باللہ التوفیق اصل یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے انما الاعمال بنیات اور جو کام دینی فائدے اور دنیوی نفع جائز دونوں سے خالی ہو عبث ہے۔ اور عبث خود مکروہ ہے۔ اس میں مال صرف کرنا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تسروفوا ان اللّٰہ لا یحب المسرفین اور مسلمانوں کو نفع پہنچانا بلاشبہ محبوب شارع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ (رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ)

”تم میں جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچائے تو پہنچائے۔“

اور معظمات دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب

”جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔“

وقال اللہ تعالیٰ

و من یعظم حرمت اللّٰہ فھولک خیر لہ عند ربہ

”جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اس کے رب کے پاس۔“

اور قبور اولیائے کرام وعباد اللہ الصالحین بلکہ عام مقابر مومنین ضرور مستحق ادب وتکریم ہیں ولہٰذا ان پر بیٹھنا ممنوع، چلنا ممنوع، پاؤں رکھنا ممنوع، یہاں تک کہ ان سے تکیہ لگانا ممنوع۔ امام احمد وحاکم طبرانی مسند مستدرک کبیر میں عمارہ بن خرم رضی اللہ عنہ بسند حسن راوی

راٰنی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزال من القبر لاتوذی صاحب القبر ولا یوذیک

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ فرمایا او قبر والے! قبر پر سے اتر آ۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔“

امام احمد کی روایت یوں ہے۔

لان امشی علی جمرة اوسیف او اخصف نعلی بر جلی احب الی من ان امشی علی قبر مسلم

رواه ابن ماجة عن عتبة بن عامر رضی اللّٰہ تعالی عنه بسند جید

"یہ کہ میں آگ یا تلوار پر چلوں یا اپنا جوتا اپنے پاؤں سے گانٹھوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔"

یہ پانچ اصول شرعیہ ہیں۔ مسائل مسئولہ کی صور مختلفہ کے احکام انہیں اصول پر مبنی ہیں۔ قبر پر چراغ جلانے سے اگر اس کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی خاص قبر پر چراغ رکھنا تو مطلقاً ممنوع ہے اور اولیاء کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے کہ اس میں بے ادبی و گستاخی اور حق میت میں تصرف ودست اندازی ہے۔ قنیہ وغیرہا میں امام علاء ترجمانی سے ہے۔ یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت حدیث والمتخذین علیها المساجد و السرج کی حقیقت یہی ہے۔ علی القبر کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ خاص قبر پر ہو۔ ولہٰذا کنارہ قبر میں مسجد بنانا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ مزار بندہ صالح سے تبرک مقصود ہو تو محمود ہے مجمع بحار الانوار میں ہے۔

من اتخذ مسجدا فی جوار صالح اوصلی فی مقبرة قاصدا به الاستظهار بروحه او وصول اثر من اثار اوته الیه لا التوجه نحوه و التعظیم له فلا حرج وفیه الایری ان مرقد اسمعیل علیه الصلوة والسلام فی الحجر المسجد الحرام والصلوة فیه افضل

"یعنی جو کسی نیک بندے کے قریب مزار میں مسجد بنائے یا مقبرہ میں اس ارادہ سے نماز پڑھے کہ میت کی روح سے استمداد کرے یا اپنی عبادت کا اثر برکات اس تک پہنچانا چاہے نہ یہ کہ نماز میں اس کی طرف منہ کرے یا نماز سے اس کی تعظیم کا قصد رکھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیا نہیں دیکھتے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار پاک خود مسجد الحرام شریف میں حطیم مبارک ہے پھر اس میں نماز تمام مساجد سے افضل ہے۔"

یہ اس تقدیر پر ہے کہ حدیث مذکور کی صحت مان لی جائے۔ والافیه باذام ضعیف وان حسنه الترمذی فقد عرف رحمه اللّٰہ تعالی بالتساهل فیه کما بیناه فی مدارج طبقات الحدیث

اور اگر قبر سے جدا روشن کریں اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے نہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے بیٹھا ہے نہ وہ قبر سر راہ واقع ہے نہ کسی معظم ولی اللہ یا عالم دین کا مزار ہے۔ غرض کسی منفعت و مصلحت کی امید نہیں تو ایسا چراغ جلانا ممنوع ہے کہ جب مطلقاً فائدے سے خالی ہوا اسراف ہوا اور بحکم اصل دوم ناجائز ٹھہرا۔ خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ یہ جاہلانہ زعم ہو کہ میت کو اس چراغ سے روشنی پہنچے گی ورنہ اندھیرے میں رہے گا۔ کہ اب اسراف کے ساتھ اعتقاد بھی فاسد ہوا۔ والعیاذ باللّٰہ تعالی۔ اور اگر وہاں

مسجد ہے یا تلیان قرآن یا ذاکران رحمٰن کے لئے روشن کریں یا قبر سرراہ ہو اور نیت یہ کی جائے کہ گزرنے والے دیکھیں اور سلام و ایصال ثواب سے خود بھی نفع پائیں اور میت کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ یا وہ مزار ولی یا عالم دین کا ہے روشنی سے نگاہ عوام میں اس کا ادب وجلال پیدا کرنا مقصود ہے تو ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ بحکم چار اصول باقیہ مذکورہ مستحب و مندوب ہے۔ بشرطیکہ حد افراط پر نہ ہو۔ مجمع البحار میں ہے۔

ان کان ثم مسجد اوغیرہ ینتفع فیہ للتلاوۃ والذکر فلاباس بالسراج فیہ

''اگر وہاں مسجد وغیرہ کوئی ایسی چیز ہو جس میں اس چراغ سے نفع ہوتا ہو تلاوت اور ذکر کیلئے تو چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں۔''

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں۔

ھذا کلہ اذا خلامن فائدۃ و امااذاکان موضع القبور مسجدا اوعلی طریق اوکان ھناک احد جالس او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من محققین تعظیما لروحہ المشرقۃ علی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوابہ ید عوا اللّٰہ تعالی عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لامنع منہ والااعمال بالنیات

''یعنی قبور میں شمعیں روشن کرنے کی ممانعت صرف اس حالت میں ہے کہ نفع سے بالکل خالی ہو ورنہ اگر موضع قبور میں مسجد ہو یا قبر راہگذر پر ہے یا وہاں کوئی بیٹھا ہے یا کسی ولی یا عالم محقق کا مزار ہے اس کی روح مبارک اس کی خاک بدن پر اس طرح پر تو ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر اس کی تعظیم کے لئے شمعیں روشن کیں تا کہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے اس سے برکت حاصل کریں اور اس کے پاس اللہ عزوجل سے دعا مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ جائز بات ہے جس سے اصلاً ممانعت نہیں اور کام نیتوں پر ہے۔''

فقیر غفراللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ طوالع النور فی حکم السرج علی القبور میں اس مسئلہ اللہ کو روشن تر لکھا و باللہ التوفیق۔

انہیں اصول سے مزارات اولیائے کرام پر چادر ڈالنے کا بھی جواز ثابت ہے۔ عوام میں قبور عامہ مسلمین کی حرمت باقی نہ رہی۔ آنکھوں دیکھا ہے کہ بے تکلف ناپاک جوتے پہنے قبور مسلمین پر دوڑے پھرتے ہیں اور دل میں خیال بھی نہیں آتا کہ یہ کسی عزیز کی خاک عزیز زیر پا ہے۔ یا کبھی ہمیں بھی یونہی خاک میں سونا ہے۔ اور بارہا دیکھا کہ جہاں قبروں میں بیٹھ کر جوا کھیلتے، فحش بکتے، قہقہے لگاتے ہیں۔ اور بعض کی یہ جرات کہ معاذ اللہ مسلمان کی قبر پر پیشاب کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ فاناللّٰہ وانا الیہ راجعون

لہٰذا دردمندان دین نے ادھر مزارات اولیائے کرام کو ان جراتوں سے محفوظ رکھنے ادھر جاہلوں کو ان کے ساتھ گستاخی کی آفت عظیم سے بچانے کے لئے مصلحت وحاجت شرعیہ سمجھی کہ مزارات طیبہ عام قبور سے ممتاز رہیں تا کہ عوام کی نظر میں ہیبت وعظمت پیدا ہو اور بے باکانہ برتاؤ کر کے ہلاکت میں پڑنے سے باز رہیں۔ اس سے کم حاجت کے باعث علماء نے مصحف شریف کو سونے وغیرہ سے مزین کرنا مستحسن سمجھا ہے کہ ظاہر بین اسی ظاہری زینت سے جھکتے ہیں اور غور کیجیے تو پوشش کعبہ معظمہ میں بھی ایک بڑی حکمت یہی ہے تو یہاں کہ نہ فقط قلت تعظیم بلکہ معاذ اللہ ان شدید بے حرمتیوں کا اندیشہ تھا۔ چادر ڈالنے روشنی کرنے امتیاز دینے قلوب عوام

میں وقعت لانے کی سخت حاجت ہوئی۔ اب اس سے منع کرنے والے یا تو سخت کج فہم وجاہل اور حالت زمانہ سے نرے غافل ہیں یاوہی بےادب محروم ہیں جن کے قلوب میں عظمت اولیاء سے خار ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین. فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ مذکورہ میں ان مسائل کو آیت کریمہ ذلک ادنی ان یعرفن فلایوذین سے استنباط کیا ہے وللہ الحمد۔

سیدی علامہ محمد ابن عابدین شامی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں کشف النور عن اصحاب القبور تصنیف امام علامہ سیدی نابلسی قدس سرہ ونفعنا اللہ ببرکاتہ سے نقل فرماتے ہیں۔

لکن نحن الان نقول ان کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامہ حتی لایحتقرو اصاحب ھذا القبر الذی وضعت علیہ الثیاب والعمائم لجلب الخشوع والادب ولقلوب الغافلین الزائرین لان قلوبھم نافرۃ عند الحضور فی التادب بین یدی اولیاء اللّٰہ تعالی المدفونین فی تلک القبور کما ذکرنا من حضور روحانیتھم المبارکۃ عند قبورھم فھو امر جائز لا ینبغی النھی عنہ لان الاعمال بالنیات ولکل امری مانوی

لیکن ہم اس وقت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اس سے مقصود عوام کی نگاہ میں مزارات اولیاء کی تعظیم پیدا کرنی ہوتا کہ جس مزار پر کپڑے اور عمامے رکھے دیکھیں مزار ولی جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں اور تا کہ زیارت کرنے والے غافلوں کے دلوں میں خشوع وادب آئے کہ مزارات اولیاء کے حضور حاضری میں ان کے دل ادب کے لئے نرم نہیں ہوتے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ مزارات کے پاس اولیائے کرام کی روحیں حاضر ہوتی ہیں تو اس نیت سے چادر ڈالنا امر جائز ہے جس سے ممانعت نہ چاہئے اس لئے کہ اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہے۔"

چادروں کے سبز وسرخ ہونے میں بھی حرج نہیں بلکہ ریشمی ہونا بھی روا کہ وہ پہننا نہیں البتہ باجے ناجائز ہیں۔ اور جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بیکار چادر چڑھانا فضول ہے۔ بلکہ جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے محتاج کو دیں۔ ہاں جہاں معمول ہو کہ چڑھائی ہوئی چادر جب حاجت سے زائد ہو، خدام، مساکین حاجت مند لے لیتے ہیں اور اس نیت سے ڈالے تو مضائقہ نہیں کہ یہ بھی تصدق ہو گیا۔

فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا تو ویسا ہی منع ہے جیسا چراغ پر رکھ کر جلانا۔ اور اگر قبر سے جدا رکھیں تو حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۲۱ ۶ جمادی الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض شخص اس طرح نام رکھتے ہیں۔ تاج الدین، محی الدین، نظام الدین، علی جان، نبی جان، محمد جان، محمد نبی، محمد یاسین، محمد طہ، غفور الدین، غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی، ہدایت علی۔ پس اس طرح کے نام رکھنا جائز ہیں یا نہیں؟ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں ہدایت علی نام رکھنا ناجائز بتایا ہے۔ اس میں حق کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار درودیں۔ یہ الفاظ کریمہ حضور ہی پر صادق اور حضور ہی کو زیبا ہیں **افضل صلوات اللہ واجل تسلیمات اللہ علیہ و علی الہ** دوسرے کے یہ نام رکھنا حرام ہیں کہ ان میں حقیقتاً ادعائے نبوت نہ ہونا مسلم ورنہ خالص کفر ہوتا۔ مگر صورت ادعا ضرور ہے اور وہ بھی یقیناً حرام محظور ہے اور یہ زعم کہ اعلام میں معنی اول ملحوظ نہیں ہوتے نہ شرعاً مسلم نہ عرفاً مقبول۔

معنی اول مراد نہ ہونے میں شک نہیں مگر نظر سے محض ساقط ہونا بھی غلط ہے۔ احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت اسماء جن کے معنی اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی تبدیل فرمادیئے۔ جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ برے نام کو بدل دیتے۔"

سنن ابوداؤد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی وعزیز وعتلہ وشیطان وحکم وغراب وحباب وشہاب نام تبدیل فرمادیئے۔ **قال ترکت اسنیدھا للاختصار** اخرم کا نام بدل کر زرعہ رکھا۔ **رواہ عن اسامۃ بن اخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔**

عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا۔ **رواہ مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما**

برہ کا نام زینب رکھا اور فرمایا۔

لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البرمنکم. رواہ مسلم عن زینب بنت ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما

اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ بتاؤ۔ خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکوکار کون ہے۔

(برہ کے معنی تھے زن نیکوکار۔ اسے خودستائی بتا کر تبدیل فرمایا) اور ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

انکم تدعون یوم القیمه باسمائکم واسماء ابائکم فاحسنوا اسماء کم رواہ احمد و ابوداود عن ابی الدرداء

رضی اللہ تعالی عنہ بسند جید

"بے شک تم روزِ قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو۔"

اگر اصلی معنی بالکل ساقط النظر ہیں تو فلاں نام اچھا فلاں برا ہونے کے کیا معنی اور تبدیل کی کیا وجہ اور خودستائی کہاں مسمی پر دلالت کرنے میں سب یکساں۔ معہذا انہیں لوگوں سے پوچھ دیکھے کیا اپنی اولاد کا نام شیطان ملعون، رافضی، خبیث، خوک وغیرہ رکھنا گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ تو قطعاً معنی اصلی کی طرف لحاظ باقی ہے پھر کس منہ سے اپنے آپ اور اپنی اولاد کو نبی کہتے کہلواتے ہیں کیا کوئی مسلمان اپنا یا اپنے بیٹے کا رسول اللہ، خاتم النبیین یا سید المرسلین نام رکھنا روا رکھے گا؟ حاشا وکلا۔ پھر محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد کیونکر روا ہو گیا؟ یہاں تک کہ بعض خدا ناترسوں کا نام نبی اللہ سنا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. کیا رسالت وختم نبوت کا ادعا حرام ہے اور نری نبوت کا حلال؟ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے ناموں کو تبدیل کر دیں۔

ہیچ پسند خرد جاں فروز — تاج شے بر سر کفش دوز

عجیب نہیں کہ ایسی علیل تاویل، ذلیل تخیل والے شدہ شدہ اللہ رب العالمین نام رکھنے لگیں کہ آخر علم میں اصلی معنی تو ملحوظ نہیں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین

یونہی نبی جان نام رکھنا نامناسب ہے۔ اگر جان ایک کلمہ جداگانہ بنظر محبت زیادہ کیا ہوا جانیں جیسا کہ غالب یہی ہے جب تو ظاہر کہ ظاہر ادعائے نبوت ہوا۔ اور اگر ترکیب مقلوب سمجھیں یعنی جان نبی تو یہ تزکیہ وخودستائی میں برہ سے ہزار درجہ زائد ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کیونکر پسند ہو سکتا ہے؟ یہاں تبدیل میں کچھ بہت حرج بھی نہیں۔ ایک ہ بڑھانے میں گناہ سے بچ جائے گا اور اچھا خاصہ جائز نام پائے گا۔ محمد نبیہ، احمد نبیہ، نبیہ احمد۔ نبیہ جان کہا اور لکھا کیجئے۔ نبیہ بمعنی بیدار وہوشیار ہے۔

یونہی یٰسین وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے کہ وہ اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے نام ہیں جن کے معنی معلوم نہیں۔ کیا عجب کہ ان کے معنی وہ ہوں جو غیر خدا ورسول میں صادق نہ آ سکیں، تو ان سے احتراز لازم۔ جس طرح نامعلوم المعنی رقیہ ومنتر جائز نہیں ہوتا کہ مبادا کسی شرک وضلال پر مشتمل ہو۔ امام ابوبکر ابن العربی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔

روی اشھب عن مالک لا یتسمی احدیسین لانہ اسم اللہ تعالی وھو کلام بدیع و ذلک ان العبد یجوزلہ ان یسمی باسم الرب اذاکان فیہ معنی منہ کعالم و قادر وانمامنع مالک من التسمیۃ بھذا الاسم لانہ من الاسماء التی لا یدری مامعناھا فربما کان ذلک معنی ینفرد بہ الرب تعالی فلا ینبغی ان یقدم علیہ من لا یعرف لما فیہ من الخطر فاقتضی النظر المنع منہ

''اشہب نے مالک سے روایت کیا کوئی ایک یٰسین نام نہ رکھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور وہ بدیع کلام ہے۔ اور یہ بات یوں ہے کہ بندہ کیلئے جائز ہے کہ نام رکھے ساتھ نام رب تعالیٰ کے جب کہ اس میں سے معنی اس کے اندر پائے جائیں۔ جیسے عالم قادر۔ اور مالک نے اس نام سے منع اس لئے کیا ہے کہ یہ ایسے ناموں سے ہے جن کے معانی معلوم نہیں ہیں۔ غالباً اس کا معنی ایسا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہیں۔ پس جسے پہچانتا نہ ہو اس کو اس پر اقدام نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ اس میں خطرہ ہے پس اس کے نظری ہونے کا تقاضا منع ہے۔''

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی مصری نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وہی کلام نفیس فقیر نے اس کے ہامش پر لکھا ہے۔

قد کان ظهر لی المنع عنه لعین هذا المعنی لکن نظرا الی انه اسم النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ولا ندری معناه فلعل له معنی لا یصح فی غیره صلی الله تعالی علیه وسلم الخ ولعل هذا اولی وما تقدم لان کونه اسم النبی صلی الله تعالی علیه وسلم اظهر و اشهر فلا یکون له معنی ینفرد به الرب عزوجل والله تعالی اعلم

بعینہ یہی حال اسم طٰہٰ کا ہے۔ والبیان البیان والدلیل الدلیل لفظ پاک محمد ان میں شامل کر دینا ممانعت کی تلافی نہ کرے گا۔ کہ یٰسین و طٰہٰ اب بھی نامعلوم المعنی ہی رہے اگر وہ معنی مخصوص بذات اقدس ہوئے تو محمد ملانا ایسا ہوگا کہ کسی کا نام رسول اللہ نہ رکھا محمد رسول اللہ رکھا۔ یہ کب حلال ہو سکتا ہے؟ و هذا کله ظاهر جدا

یونہی غفور الدین بھی سخت قبیح و شنیع ہے۔ غفور کے معنی مٹانے والا، چھپانے والا۔ اللہ عزوجل غفور ذنوب ہے۔ یعنی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ذنوب مٹاتا عیوب چھپاتا ہے۔ تو غفور الدین کے معنی ہوئے دین کا مٹانے والا۔ یہ ایسا ہوا جیسے شیطان نام رکھنا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما دیا۔ ہاں دین پوش، تقیہ کوش۔ یہ ایسا ہوا جیسے رافضی نام رکھنا۔ بہر حال شدید شناعت پر مشتمل ہے۔ اس سے تو عاصیہ نام بہت ہلکا تھا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تغیر فرمایا کہ معاصی کا عرفاً اطلاق اعمال تک ہے اور دین پوشی کی بلا ملت و عقائد پر۔ والعیاذ بالله رب العالمین حدیث میں ہے الفال موکل بالمنطق بعض برے ناموں کی تبدیل کا یہی منشا تھا کما ارشد الیه غیر ما حدیث ملا علی قاری مرقاۃ میں نقل فرماتے ہیں۔

ان الاسماء تنزل من السماء ''نام آسمان سے اترتے ہیں۔''

یعنی غالباً- اسم و مسمی میں کوئی مناسبت غیب سے ملحوظ ہوتی ہے۔ اہل تجربہ نے کہا ہے۔

مزن فال بد کا رد رو حال بد

اللھم احفظنا و ارحمنا ۔ فقیر نے بچشم خود ایسے قبیح ناموں کو سخت برا اثر پڑتے دیکھا ہے۔ بھلے چنگے سنی صورت کو آخر عمر میں دین پوش، ناحق کوش ہوتے پایا ہے۔

نسال اللّٰہ العفو والعافیۃ. اللھم یا قدیر یا رحمن یا رحیم یا عزیز یا غفور صل و سلم و بارک علی سیدنا و مولانا محمد والہ و صحبہ و ثبتنا علی دینک الحق الذی ارتضیتہ لا نبیائک و رسلک و ملائکتک حتی نلقاک بہ سو عافنا من البلاء والبلوی والفتن ظھر منھا وما بطن وصل وسلم و بارک علی سیدنا محمد والہ اجمعین وارحم عجزنا وفاقتنابھم یا ارحم الراحمین امین. والصلوۃ والسلام علی اشفیع الکریم والہ و صحبہ اجمعین والحمدللّٰہ رب العلمین ۔ امین

اورایک سخت آفت یہ ہوتی ہے کہ ایسے قبیح نام والے اپنے نام کے ساتھ حسب رواج نام پاک محمد ملا کر لکھتے کہتے اوراسی کی اوروں سے طمع رکھتے ہیں۔ اگر کوئی خالی ان کا نام بے نام اقدس لکھے تو گویا اپنی حقارت جانتے اور آدھا نام لینا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے برے معنی کے ساتھ اس نام پاک کا ملانا خود اس نام کریم کے ساتھ گستاخی ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رہے کہ ان امور کی طرف اسی کو التفات وتنبہ عطا فرماتے ہیں جسے ایمان وادب سے حصہ وافیہ بخشتے ہیں وللہ الحمد۔

اس بنا پر فقیر کبھی جائز نہیں رکھتا کہ کلب علی، کلب حسن، کلب حسین، غلام حسن، غلام حسین، غلام جیلانی وامثال ذلک اسماء کے ساتھ نام پاک ملا کر کہا جائے۔ اللھم ار زقنا حسن الادب ونجنا من مورثات الغضب، امین۔

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین، اوراسی طرح وہ تمام نام جن میں مسمی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے جیسے شمس الدین، نورالدین، فخرالدین، شمس الاسلام، محی الاسلام، بدرالاسلام، وغیرہ ذالک۔ سب کو علماء کرام نے سخت ناپسند رکھا اور مکروہ ممنوع رکھا۔ اکابر دین قدست اسرارہم کہ امثال اسلامی سے مشہور ہیں یہ ان کے نام نہیں القاب ہیں کہ ان مقامات رفیعہ تک وصول کے بعد مسلمین نے توصیفاً انہیں ان لقبوں سے یاد کیا۔ جیسے شمس الائمہ حلوائی فخرالاسلام بزودی، تاج الشریعۃ، صدرالشریعۃ۔ یونہی محی الحق والدین حضور پرنور سیدنا غوث اعظم۔ معین الحق والدین حضرت خواجہ غریب نواز۔ وارث النبی سلطان الہند حسن سنجری۔ شہاب الحق والدین عمر سہروردی۔ بہاؤ الحق والدین نقشبند، قطب الحق والدین بختیار حسن کاکی۔ شیخ الاسلام فریدالحق والدین مسعود۔ نظام الحق والدین سلطان الاولیا محبوب الٰہی محمد نصیرالحق والدین چراغ دہلوی محمود وغیرہ ہم۔

رحمتہ اللہ علیہ و نفعنا ببر کاتھم فی الدنیا والدین

حضور نورالنور سیدنا غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا لقب پاک محی الدین خود روحانیت اسلام نے رکھا۔ جس کی روایت معروف ومشہور اور بہجتہ الاسرار شریف وغیرہ کتب ائمہ وعلماء میں مذکور ہ۔ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے لاتزکوا انفسکم. فصول علامی میں ہے لا یسمیہ بمافیہ تزکیہ ردالمحتار میں ہے۔

يوخذمن قوله ولابمافيه تزكية المنع عن نحو محي الدين و شمس الدين مع ما فيه من الكذب والف بعض المالكية في المنع منه مولفا و صرح به القرطبي في شرح الاسماء الحسنى وانشد بعضهم فقال. (١) اوى الدين يستحيى من الله ان يرى و هذا اله فخرو ذاك نصير (٢) فقد كثرت في الدين القاب عصبت هم مافي مراعي المنكرات حمير (٣) و انى اجل الدين عن عزه بهم واعلم ان الذنب فيه كبير. و نقل عن الامام النووى انه كان يكره من لقبه بمحي الدين و يقول لا اجعل من دعاني به في حل ومال الى ذلك العارف بالله تعالى الشيخ سنان في كتابه تبيين المحارم و اقام الطامة الكبرى على المتين بمثل ذلك و انه من التزكية المنهي عنها في القران ومن الكذب قال و نظيره ما يقال للمدرسين بالتركي افندى وسلطانم و نحوه. ثم قال فان قيل هذه مجازات صارت كالاعلام فخرجت عن التزكية في الجواب ان هذا يرده ما يشاهد من انه اذا نودى باسمه العلم وجد على من ناداه به فعلم ان التزكية باقية الخ

''مصنف کے قول لابمافیہ تزکیۃ سے معلوم ہوتا ہے منع مثل محی الدین وشمس الدین کے۔ علاوہ ازیں اس میں جھوٹ بھی ہے اور بعض مالکی علماء نے ایسے ناموں کے منع میں ایک کتاب لکھی ہے اور قرطبی نے اس کی تصریح کی ہے شرح اسماء حسنیٰ میں اور بعض نے اس بارہ میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔ پس کہا ہے ''میں دیکھتا ہوں دین کو کہ حیا کرتا ہے اللہ سے جو دکھایا جائے۔ حالانکہ یہ اس کیلئے فخر ہے اور یہ اسی کیلئے نصیر یعنی مددگار ہے۔ تحقیق بہت ہوئے دین میں القاب اس کے مددگاروں کے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو برائیوں کی رعایت میں گدھے ہیں۔ اور تحقیق دین کی موت ان جیسے لوگوں کے ساتھ اس کی عزت میں ہے اور جان لے کہ اس میں گناہ بڑا ہے۔ اور امام نوویؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ محی الدین کے ساتھ اپنے ملقب ہونے کو ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص مجھے اس لقب کے ساتھ پکارے گا میں اسے معاف نہیں کروں گا اور اسی کی طرف مائل ہوئے شیخ سنان اپنی کتاب تبیین المحارم اور اقام الطامۃ الکبریٰ علی متین میں مثل اس کے اور یہ کہ تحقیق یہ تزکیہ ہے جس سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے اور جھوٹ سے ہے اور کہ مثل اس کے کہا وہ جو کہا جاتا ہے واسطے مدرسین کے ترکی میں آفندی وسلطانم اور اس کی مثل پھر کہا پس اگر کہا جائے یہ مجازات ہیں جو اعلام کی طرح ہو گئے ہیں پس تزکیہ سے نکل گئے پس جواب یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ اس بات کو رد کرتا ہے کیونکہ اگر ان اشخاص کو ان کے اسماء اعلام سے پکارا جائے تو پکارنے والے پر غصہ کریں گے۔ پس معلوم ہوا کہ تزکیہ کے لئے باقی ہے۔ الخ''

سترہ نام کہ سائل نے پوچھے ان میں سے یہی دس ناجائز وممنوع ہیں۔ باقی سات میں حرج نہیں۔ علی جان، محمد جان کا جواز تو ظاہر ہے کہ اصل نام علی ومحمد ہے اور جان بنظر محبت زیادہ اور حدیث سے ثابت کہ محبوبان خدا انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کے اسمائے طیبہ پر نام رکھنا مستحب ہے جب کہ ان کے مخصوصات سے نہ ہو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تسموا باسماء الانبیاء. رواہ البخاری فی الادب المفرد و ابوداود النسائی عن ابی وھب الجشمی ولہ تتمہ والبخاری فی التاریخ بلفظ سموا عن عبداللّٰہ بن جراد رضی اللّٰہ تعالی عنہ ولہ تتمۃ اخری

اور محمد واحمد ناموں کے فضائل میں تو احادیث کثیرہ عظیمہ جلیلہ وارد ہیں۔

حدیث ۱ صحیحین مسند احمد و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

حدیث ۲ صحیحین و ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔

حدیث ۳ معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی "میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔"

حدیث ۴ ابن عساکر و حافظ حسین بن احمد بن عبداللہ بن بکیر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من ولد لہ مولود فسماہ محمدا حبالی و تبرکا باسمی کان ھو و مولودہ فی الجنۃ

"جس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کیلئے اس کا نام محمد رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں۔"

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی فرماتے ہیں۔

ھذا امثل حدیث ورد فی ھذا الباب و اسنادہ حسن. ونازعہ تلمیذہ الشامی بمارد ہ العلامۃ الزرقانی فراجعہ

"جس قدر حدیثیں اس باب میں آئیں یہ سب میں بہتر ہے اور اس کی سند حسن ہے۔"

حدیث ۵ حافظ ابو طاہر سلفی و حافظ بن بکیر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں روز قیامت دو شخص حضرت عزت کے حضور کھڑے کیے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ۔ عرض کریں گے الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا۔

ادخلا الجنۃ فانی الیت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمہ احمد ولا محمد

"جنت میں جاؤ کہ میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔"

یعنی جب کہ مومن ہو۔ اور مومن عرف قرآن و حدیث اور صحابہ میں اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو کمانص علیہ الائمۃ فی التواضیح وغیرہ ورنہ بدمذہبوں کیلئے تو حدیثیں یہ ارشاد فرماتی ہیں کہ وہ جہنم کے کتے ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ بدمذہب اگر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور اپنے اس مارے جانے پر صابر و طالب ثواب رہے جب بھی اللہ عزوجل اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے اور اسے جہنم میں ڈالے۔ یہ حدیثیں دار قطنی و ابن ماجہ و بیہقی و ابن الجوزی وغیرہ ہم نے

حضرت ابوامامہ وحذیفہ وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیں اور فقیر نے اپنے فتاویٰ میں متعدد جگہ لکھیں۔ تو محمد بن عبدالوہاب نجدی وغیرہ گمراہوں کے لئے ان حدیثوں میں اصلاً بشارت نہیں، نہ کہ سید احمد خاں کی طرح کفار جس کا مسلک کفر قطعی کہ کافر پر تو جنت کی ہوا تک حرام ہے۔

حدیث٦ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالی و عزتی و جلالی لاعذبت احداتسمی باسمک فی النار

''رب عزوجل نے مجھ سے فرمایا مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم جس کا نام تمھارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔''

حدیث٧ حافظ ابن بکیر امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث٨ دیلمی مسند الفردوس میں موقوفاً راوی کہ مولیٰ علی فرماتے ہیں۔

حدیث٩ ابن عدی کامل اور ابوسعید نقاش بسند صحیح اپنے معجم شیوخ میں راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مااطعم طعام علی مائدۃ ولا جلس علیھا و فیھا اسمی الا وقدسوا کل یوم مرتین

''جس دسترخوان پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھائیں اوران میں کوئی محمد نام کا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار مقدس کئے جائیں۔''

حاصل یہ کہ جس گھر میں ان پاک ناموں کا کوئی شخص ہو دن میں دو بار اس مکان میں رحمت الٰہی کا نزول ہو۔ ولہذا حدیث امیر المومنین کے لفظ یہ ہیں۔

مامن مائدۃ وضعت فحضر علیھا من اسمہ احمد او محمدا لاقدس اللّٰہ ذلک المنزل کل یوم مرتین

حدیث١٠ ابن سعد طبقات میں عثمان عمری سے مرسلاً راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ماضر احدکم لو کان فی بیتہ محمد و محمدان وثلثۃ

''تم میں کسی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔''

ولہذا فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے اپنے سب بیٹوں بھتیجوں کا عقیقہ میں صرف محمد نام رکھا۔ پھر نام اقدس کے حفظ آداب اور باہم تمیز کے لئے عرف جدا مقرر کئے۔ بحمداللہ تعالیٰ فقیر کے یہاں پانچ محمد اب موجود ہیں۔ **سلمھم اللّٰہ تعالی وعافاھم والی مدارج الکمال رقاھم** اور پانچ سے زائد اپنی راہ گئے۔ **جعلھم اللّٰہ لنا اجراو و ذخراو فرطا برحمتہ و بعزۃ اسم محمد عندہ امین**

حدیث ۱۱ طبرانی وابن الجوزی امیر المومنین مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ما اجتمع قوم قط فی مشورۃ و فیھم رجل ء اسمہ محمد لم یدخلوہ فی مشورتھم الالم یبارک لھم فیہ

''جب کوئی قوم کسی مشورے کے لئے جمع ہوں اوران میں کوئی شخص محمد نام ہواوراسے اپنے مشورے میں شریک نہ کریں ان کیلئے اس مشورے میں برکت نہ رکھی جائے۔''

حدیث ۱۲ طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من ولد لہ ثلثۃ اولادفلم یسم احدا منھم محمد فقد جھل

''جس کے تین بیٹے پیدا ہوں اور وہ ان میں کسی کا نام محمد نہ رکھے ضرور جاہل ہے۔''

حدیث ۱۳ حاکم وخطیب تاریخ اور دیلمی مسند میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذاسمیتم الولد محمد افاکرموہ و اوسعوالہ فی المجلس ولاتقبحوالہ وجھا

''جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کرو اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو۔ یا اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔''

حدیث ۱۴ بزار مسند میں حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذاسمیتم محمد فلاتضربوہ ولا تحرموہ

''جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اسے نہ مارو نہ محروم کرو۔''

حدیث ۱۵ فتاویٰ امام شمس الدین سخاوی میں ہے ابوشعیب حرانی نے امام عطا (تابعی جلیل الشان استاد، امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کی ہے۔

من ارادان یکون حمل زوجۃ ذکر افلیضع یدہ علی بطنہا و یقل ان کان ذکر افقد سمیتہ محمدا فانہ یکون ذکرا

جو چاہے کہ اس کی عورت کے حمل میں لڑکا ہواسے چاہئے اپنا ہاتھ عورت کے پیٹ پر رکھ کر کہے ان کان ذکرا فقد سمیتہ محمدا اگر لڑکا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ ان شاء اللہ العزیز لڑکا ہی ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

ما کان فی اهل بیت اسم محمد الا کثرت برکته. ذکره المنادی فی شرح التیسیر تحت الحدیث العاشر والزرقانی فی شرح المواهب

جس گھر والوں میں کوئی محمد نام کا ہوتا ہے اس گھر کی برکت زیادہ ہوتی ہے۔

بہتر یہی ہے کہ صرف محمد یا احمد نام رکھے۔ اس کے ساتھ جان وغیرہ اور کوئی لفظ نہ ملائے کہ فضائل تنہا انہیں اسمائے مبارکہ کے وارد ہوئے ہیں۔

غلام علی، غلام حسین غلام غوث، غلام جیلانی اور ان کے امثال تمام جن میں اسمائے محبوبان خدا کی طرف اضافت لفظ غلام سے ہو غلام سے ہو سب کا جواز بھی قطعاً بدیہی ہے۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں ان ناموں پر ایک فتویٰ قدرے مفصل لکھا اور قرآن وحدیث اور خود پیشوایان وہابیہ کے اقوال سے ان کا جواز ثابت کیا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

ویطوف علیهم غلمان لهم کانهم لو لومکنون

"ان پر ان کے غلام گشت کرتے ہوں گے گویا وہ موتی ہیں محفوظ رکھے ہوئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لایقولن احدکم عبدی کلکم عبیداللّٰه ولکن لیقل غلامی هذا مختصر رواه مسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه

"ہرگز تم میں کوئی اپنے مملوک کو یوں نہ کہے کہ میرا بندہ۔ تم سب خدا کے بندے ہو۔ ہاں یوں کہے کہ میرا غلام۔"

وہابیہ کے شرک ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ خود قرآن وحدیث میں بھرے ہوتے ہیں۔ خدا اور رسول تک ان شرک دوستوں کے حکم شرک سے محفوظ نہیں۔ والعیاذ باللہ رب العلیمین مزہ یہ ہے کہ لفظ غلام کی اسمائے الٰہیہ جل وعلا کی طرف اضافت خود ممنوع ہے۔ اللہ کا غلام نہ کہا جائے گا کہ غلام کے معنی حقیقی پسر ہیں۔ ولہٰذا عبید کو شفقتاً عربی میں غلام اردو میں چھوکرا کہتے ہیں۔ سیدی علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں۔

(ولکن لیقل غلامی وجاریتی و فتائی و فتاتی) مراعاة لجانب الادب فی حق اللّٰه تعالی لانه یقال عبداللّٰه

وامة اللہ ولا یقال غلام اللہ و جاریۃ اللہ ولا فتی اللہ ولافتاۃ اللہ اہ باختصار

سبحان اللہ! یہ عجب شرک ہے جو خود حضرت عزت کیلئے روا نہیں، بلکہ اس کے غیر ہی کے لئے خاص ہے۔ مگر ہے یہ کہ وہابیہ کے دین فاسد میں محبوبان خدا کا نام ذرا اعزاز وتکریم کی نگاہ سے آیا اور شرک نے منہ پھیلایا۔ پھر چاہے وہ بات خدا کیلئے خاص ہونا درکنار خدا کیلئے جائز بلکہ متصور ہی نہ ہو۔ آخر نہ دیکھا کہ ان کے پیشوا نے تقویۃ الایمان میں قبر پر شامیانہ کھڑا کرنا مورچھل جھلنا شرک بتادیا اور اسے صاف صاف ان باتوں میں جو خدا نے اپنی تعظیم کے لئے خاص کی ہیں گنادیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم آخر نہ سنا کہ ان کے طائفہ غیر مقلدان کے اب نئے پیشوا صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی آنجہانی اپنے رسالہ کلمۃ الحق میں لکھ گئے ہیں۔

چو غلام آفتابم ہم از آفتاب گویم

خدا کی شان! غلام محمد، غلام علی، غلام حسن، غلام غوث تو معاذ اللہ شرک وحرام اور غلام آفتاب ہونا یوں جائز و بے ملام۔ حالانکہ ترجمہ کیجئے تو جیسا فارسی میں غلام آفتاب ویسا ہی عربی میں مشرکین عرب کا نام عبدشمس، ہندی میں کفار ہنود کا نام سورج داس۔ زبانیں مختلف ہیں اور حاصل ایک۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہدایت علی کا جواز بھی ویسا ہی ظاہر و باہر جس میں اصلاً عدم جواز کی بو نہیں۔ وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ کہ محبوبان خدا کے نام سے جلتے ہیں آج تک ان کے کبرا نے بھی اس میں کلام نہ کیا۔ البتہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول طبع اول صفحہ ۲۶۴ میں اس نام پر اعتراض دیکھا گیا اول کلام میں تو صرف خلاف اولیٰ ٹھہرایا تھا، آخر میں ناجائز وگناہ قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ اس کا خلاصہ عبارت یہ ہے۔

استفتاء

کسے نام خود ہدایت علی می داشت بایہام اسمائے شرکیہ تبدیل نمود و ہدایت العلی نہاد. شخصے بر آن معترض شد کہ لفظ ہدایت مشترک است بین معنیین ارا ۃ الطریق و ایصال الی المطلوب و ہکذا لفظ علی بغیر الف ولام مشترک است بین اسمائے الہیہ و حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجیب گفت دریں صورت تائید من ست. چہ ہر گاہ لفظ ہدایت و علی مشترک شد بین معنیین پس چہار احتمال می شود یکے ازاں از ہدایت معنی اول و از علی اللہ جل شانہ. دوم از ہدایت معنی ثانی و از علی اللہ جل جلالہ. سوم از ہدایت معنی اول و ازعلی حضرت علی کرم اللہ وجہہ. چہارم از ہدایت معنی ثانی و از علی حضرت علی پس سہ احتمال اول خالی از ممانعت شرعیہ ہستند. البتہ رابع خالی از ممنوعیت نیست چہ در جملہ اسمائے شرکیہ مفہوم می شود. پس ہراسم کہ دائرہ شود بین اسمائے شرکیہ وعدمہ احتراز ازاں لابدی ست بلکہ واجب

واگر کسے بر اسم متنازع فیہ قیاس نمودہ بر عبداللہ شرک ثابت کند یا علی گفتن ممانعت نماید قیاس او صحیح ست یا نہ بینوا توجروا

کسی شخص کا نام ہدایت علی تھا۔ بوجہ وہم اسماء شرکیہ کے نام تبدیل کیا اور ہدایت العلی رکھ لیا۔ ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا کہ لفظ ہدایت مشترک درمیان دو معنوں کے ہے۔ ایک معنی ہے راہ دکھانا اور دوسرا معنی ہے مطلوب تک پہنچانا۔ اور اسی طرح لفظ علی بغیر الف لام کے مشترک ہے۔ درمیان اسماء الٰہیہ کے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔ مجیب نے کہا اس صورت میں میری تائید ہے کیونکہ جب لفظ ہدایت اور علی دو معنوں میں مشترک ہوئے پس چار احتمالات بنتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہدایت سے مراد معنی اول ہو اور علی سے اللہ جل شانہ دوسرا یہ کہ ہدایت سے مراد معنی ثانی اور علی سے مراد اللہ جل شانہ۔ تیسرا یہ کہ ہدایت سے مراد معنی اول اور علی سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ چوتھا یہ کہ ہدایت سے مراد معنی اول اور علی سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ پس پہلے تین احتمالات ممانعت شرعیہ سے خالی ہیں۔ البتہ چوتھا احتمال ممنوعیت سے خالی نہیں کیونکہ یہ اسماء شرکیہ کے زمرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پس جو اسم دائر ہو درمیان شرکیہ اور غیر شرکیہ میں اس سے بچنا ضروری ہے۔ بلکہ واجب ہے۔ اگر کوئی آدمی اسم متنازع فیہ پر قیاس کرتا ہوا عبداللہ پر شرک ثابت کرے یا علی کہنے سے روکے تو کیا اس کا قیاس صحیح ہے یا نہ؟ بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ وہی ہے سیدھی راہ دکھانے والا۔

لفظ علی کہ از اسمائے الٰہیہ ست الف لام بران زائد می شود برائے تعظیم چنانچہ در الفضل والنعمان وغیرہ بر لفظ علی کہ از اسمائے مرتضی ست لام داخل نمی شود. بناء علیہ ہدایت العلی اولی ست از ہدایت علی چہ در اولی اشتباہ اضافت ہدایت بسوئے علی مرتضی پست و درصورت ثانیہ بسبب اشتراک لفظ ہدایت بحسب استعمال و اشتراک لفظ علی اشتباہ امر ممنوع موجود و دراسامی ازہمچو اسم کہ ایہام مضمون غیر مشروع ساز داحتراز لازم. بہمین سبب علماء از تسمیہ عبدالنبی وغیرہ منع ساختہ اندو اما در عبداللہ وغیرہ پس ایہام از امر غیر مشروع نیست. و ہمچنیں دریا علی ہر گا مقصود ندائے پروردگار باشد نزاعی نیست. حررہ الحسنات عبدالحی

لفظ علی جو کہ اسمائے الٰہیہ سے ہے اس پر تعظیم کیلئے الف لام زائد ہوتا ہے جیسا کہ الفضل اور النعمان وغیرہ لفظ علی جب کہ حضرت مرتضٰی کا نام ہو اس پر الف لام داخل نہیں ہوتا۔ اس پر ہدایت العلی نام رکھنا بہتر ہے۔ کیونکہ ہدایت العلی نام رکھنے میں اشتباہ اضافت ہدایت کا حضرت مرتضٰی کی طرف نہیں ہے اور ہدایت علی نام رکھنے میں بسبب اشتراک لفظ ہدایت کے باعتبار استعمال کے اور بوجہ اشتراک لفظ علی کے امر ممنوع کا اشتباہ موجود ہے اور ناموں میں ایسے نام جن سے ابہام مضمون غیر مشروع کا ہو بچنا لازم ہے۔ اسی لئے علماء نے عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ لیکن عبداللہ وغیرہ پس ان میں غیر مشروع کا ابہام نہیں اور اسی طرح یا علی کہنا جب کہ اس سے مقصود ندائے پروردگار ہو کوئی نزاع نہیں۔

اقول یہ جواب سخت عجب عجاب ہے۔ یتساوک ھز لا ایل یساوی ھز لا۔

اولاً اس تمام کلام مختل النظام کا معنی ہی سرے سے پادر ہوا ہے ممنوع ایہام ہے نہ مجرد احتمال **ولو ضعیفا بعیدا**۔ ایہام واحتمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایہام میں تبادر درکار ہے۔ ذہن اس معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے نہ یہ کہ شقوق محتملہ عقلیہ میں کوئی شق معنی ممنوع کی بھی نکل سکے۔ تلخیص میں ہے۔

الایہام ان یطلق لفظ له معنیان قریب و بعید و یراد بالبعید

''ایہام یہ ہے کہ ایک لفظ بولا جائے جس کے دو معنی ہوں قریب اور بعید اور مراد بعید معنی ہو۔''

علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں۔

الایہام و یقال له التخییل ایضا وھو ان یذکر لفظ له معنیان قریب و غریب فاذا سمع الانسان سبق الی فھمه القریب و مراد المتکلم الغریب و اکثر المتشابھات من ھذا الجنس و منه قوله تعالی والسموات مطویت بیمینه

''ایہام کو تخییل بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ کوئی لفظ ذکر کیا جائے جس کے دو معانی ہوں۔ ایک قریب الفہم، ایک بعید عن الفہم پس جس وقت انسان اس لفظ کو سنے اس کے فہم کی طرف قریب معنی سبقت کرلے اور مراد متکلم کی معنی بعید ہو اور اکثر متشابہات اسی جنس سے ہیں۔ اور اسی قسم سے ہے فرمان اللہ تعالیٰ کا اور آسمان لپیٹے ہوئے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں۔''

مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع وطعن سے خالی رہے گا۔ زید آگیا اٹھا بیٹھا۔ عمرو نے کھایا پیا کہا سنا۔ مجیب صاحب نے سوال دیکھا، جواب لکھا وغیرہ وغیرہ سب افعال اختیاریہ کی اسناد دو معنی کو متحمل۔ ایک یہ کہ زید وعمرو مجیب نے اپنی قدرت ذاتیہ مستقلہ تامہ سے یہ افعال کئے۔ دوسرے قدرت عطائیہ ناقصہ قاصرہ سے۔ اول قطعاً شرک ہے۔ لہٰذا ان اطلاقات سے احتراز لازم ہو جائے گا۔ اور یہ بداہتا قطعاً اجماعاً باطل ہے۔ فاضل مجیب نے بھی عمر بھر اپنے محاورات روزانہ میں ایسے ایہامات شرک برتے اور ان کی تصانیف میں ہزار در ہزار ایسے شرک بالا ایہام بھرے ہوں گے۔

جانے دیجئے! نماز میں **وتعالی جدک** تو شاید آپ بھی پڑھتے ہوں گے۔ جد کے دوسرے مشہور معروف بلکہ مشہور تر معنی یہاں کیسے صریح شدید کفر ہیں۔ عجب کہ اتنے بڑے کفر کا ایہام جان کر اسے حرام نہ مانا تو بات وہی ہے کہ ایہام میں تبادر وسبقت و اقربیت درکار ہے اور وہی ممنوع ہے، نہ مجرد احتمال۔ یہ فائدہ واجب الحفظ ہے کہ آج کل بہت جہلا ایہام واحتمال میں فرق نہ کرکے ورطہ غلط میں پڑتے ہیں۔

ثانیاً ایسی ہی جگت تراشیاں ہیں تو صرف ہدایت علی پر کیوں الزام رکھیے۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے نام پاک علی کو اس سے سخت تر شنیع کہیے۔ وہاں تو چار احتمالوں سے ایک میں تو آپ کو شرک نظر آیا تھا، یہاں برابر کا معاملہ نصفا نصف کا حصہ ہے۔ علی کے دو معنی

ہیں۔ علو ذاتی کہ بالذات للذات متعالی عن الاضافات ہو۔ دوسرا اضافی کہ خلق کیلئے ہے۔ اول کا اثبات قطعاً شرک تو علی ہی ایہام شرک میں ہدایت علی سے دونا ٹھہرے گا۔ ولا یقول به جاهل فضلا عن فاضل۔

ثالثاً ایک علی ہی کیا جس قدر اسمائے مشترکہ فی اللفظ بین الخالق والخلوق ہیں جیسے رشید و حمید و جمیل و جلیل و کریم و علیم و رحیم و حلیم وغیرہ ۔ سب کا اطلاق عباد پر ویسا ہی ایہام شرک ہوگا جو ہدایت علی کے ایہام سے دو چند رہے گا۔ حالانکہ خود حضرت عزت نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں کسی کو دو نام اپنے اسمائے حسنی سے عطا فرمائے اور حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ میں تو ساٹھ سے زیادہ آئے کما فصله العالماء فی المواهب وغیرہ ها۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام پاک حاشر بتایا۔ صحابہ وتابعین وائمہ دین میں کتنے اکابر کا نام مالک تھا۔ ان کے ایہاموں کو کہئے۔ درمختار وغیرہ معتمدات میں تصریح کی کہ ایسے نام جائز ہیں اور عباد کے حق میں دوسرے معنی مراد لئے جائیں گے نہ وہ جو حضرت حق کیلئے۔ جاز التسمیه بعلی و رشید وغیره هما من الاسماء المشترکة و یراد فی حقنا غیرما یراد فی حق اللّٰه تعالی ۔ کیوں نہیں کہتے کہ ایسے نام بوجہ اشتراک ناجائز ہیں کہ دوسرے معنی شرک کا احتمال باقی ہے۔

ولا حول ولاقوة الا باللّٰه العلی العظیم

رابعاً سائل نے اپنی جہالت سے صرف عبداللہ میں شرک سے سوال کیا تھا۔ حضرت مجیب نے اپنی بنالت سے وغیرہ بھی بڑھا دیا کہ اپنے نام نامی کو ایہام شرک سے بچالیں مگر جناب کی دلیل سلامت ہے تو اس ایہام سے سلامت بخیر ہے۔

عبدالحی میں دو جز ہیں اور دونوں کے دو دو معنی۔ ایک عبد مقابل الہ دوم مقابل آقا۔ قال اللہ تعالی۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم

دیکھو حق سبحانہ تعالیٰ نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا۔ یونہی ایک حی اسم الٰہی کہ حیات ذاتیہ ازلیہ ابدیہ واجب سے مشعر اور دوسرا من وتو زید عمرو سب پر صادق۔ جس سے یہ آیہ کریمہ تخرج الحی من المیت وغیرہا مظہر۔ اب اگر عبد بمعنی اول اور حی بمعنی دوم لیجئے قطعاً شرک ہے۔ وہی چار صورتیں ہیں اور وہی ایک صورت پر شرک موجود۔ پھر عبدالحی ایہام شرک سے کیونکر محفوظ؟ اس سے بھی احتراز لازم تھا۔

بعینہ یہی تقریر مولوی عبدالحلیم صاحب کے نام میں جاری ہوگی۔ ملاحظہ ہو کہ تحقیق وتدقیق کہاں تک پہنچی؟ نسال اللّٰه السلامة فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ پھڑکتی ہوئی برہان حضرت مجیب کو جناب سائل کے فیض سے پہنچی۔ سائل نے ذکر کی مجیب نے بے غور کے قبول کرلی۔ ورنہ ان کا ذہن شاید ایسی ذلیل علیل کلیل کی طرف ہرگز نہ جاتا۔ جس سے خود ان کا نام نامی بھی عادم الجواز ولازم الاحتراز قرار پاتا۔

خامسا یا علی کو فرمایا جاتا ہے کہ جب مقصود ندائی معبود تو نزاع مفقود۔ جی کیا وجہ یہاں بھی صاف دوسرا احتمال موجود۔ اپنا قصد نہ ہونا ایہام واحتمال کا نافی کب ہوسکتا ہے ایہام تو کہتے ہی وہاں جہاں وہ معنی موہم مراد متکلم نہ ہوں۔ تلخیص وتعریفات کی عبارتیں ابھی سن چکے۔ اور اگر قصد پر مدار واعتماد ہے تو ہدایت علی پر کیا ایراد ہے؟ وہاں کب معنی شرک مقصود مراد ہے۔

سادسا علی پر الف لام لانا کب ایسے عالمگیر ایہام شرک سے نجات دے گا۔ علی علما پر لام نہ آتا کہ صفتہ پر تو قطعاً آسکتا ہے اور یقیناً صفات مشترکہ سے ہے تو احتمال اب بھی قائم اور احتراز لازم بلکہ سراجیہ وتاتارخانیہ ومنح الغفار وغیرہا سے تو ظاہر کہ العلی بالام نام رکھنا بھی روا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

فی التاتار خانیہ عن السراجیۃ التسمیۃ باسم یوجد فی کتاب اللّٰہ تعالی کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزۃ الخ و مثلہ فی المسخ عنہا و ظاہرہ الجواز و لو معرفا بال

"تاتارخانیہ اور سراجیہ میں ہے نام رکھنا ساتھ اس نام جو کتاب اللہ میں پائے جاتے ہیں جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع جائز ہیں الخ۔ اور اس کے مثل مسخ میں سراجیہ سے نقل کیا اور ظاہر اس کا جواز ہے اگرچہ معرف بالف لام ہی ہو۔"

سابعا جب گفتگو احتمال پر چل رہی ہے تو معنیین الصال لی المطلوب وارائت طریق میں تفرقہ باطل۔ ایصال وارائت دو معنی خلق وتسبب پر مشتمل بمعنی خلق دونوں مختص بحضرت احدیت ہیں۔ کیا ارائت بمعنی خلق رویت غیر سے ممکن ہے اور بمعنی تسبب دونوں غیر کے لئے حاصل ہیں؟ کیا انبیاء سے ایصال بمعنی سببیت فی الوصول نہیں ہوتا۔ **فطاح التفرقۃ و راح الشقشقۃ** ہاں یوں کہتے کہ ادھر علی مشترک ادھر ہدایت خلق وتسبب دونوں میں مستعمل یوں چار احتمال ہوئے۔ مگر اب یہ مصیبت پیش آئے گی کہ جس طرح ہدایت بمعنی خلق غیر خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ بمعنی محض تسبب حضرت عزت جل جلالہ کی طرف نسبت نہیں پاسکتی۔ ورنہ معاذ اللہ اصل خالق و معطی دوسرا ٹھہرے گا، اور اللہ عزوجل صرف سبب وواسطہ وسیلہ، اس کا پایہ شرک سے بھی اونچا جائے گا کہ وہاں تو تسویہ تھا یہاں اللہ سبحانہ پر تفضیل دنیا قرار پائے گا۔ علی پر لام لاکر اول کا علاج کرلیا اس دوم کا کہ اس سے بھی سخت تر ہے علاج کدھر سے آئے گا؟ اب ایک نیا لام گھڑ کر ہدایت پر داخل کیجئے کہ وہ معنی خلق میں متعین ہوجائے اور احتمال تسبب اٹھ کر ایہام شرک وبدتر از شرک راہ نہ پائے۔

ثامنا ایک ہدایت کیا جتنے افعال مشترکۃ الاطلاق ہیں سب میں اسی آفت کا سامنا ہوگا جیسے احسان وانعام، اذلال واکرام، تعلیم وافہام، تعذیب وایلام، عطاومنع، اضرار ونفع، قہر وقتل، نصب وعزل وغیرہا کہ مخلوق کی طرف نسبت کیجئے تو معنی خلق موہم شرک اور خالق کی طرف تو معنی تسبب مشعر کفر بہرحال مفر کدھر اگر کہئے خالق عزوجل کی طرف نسبت ہی دلیل کی کافی ہے کہ معنی خلق مراد ہیں۔ ہم کہیں گے مخلوق کی جانب اضافت ہی برہان وافی ہے کہ معنی تسبب مقصود ہیں۔ ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ

امثال ابنت الربیع البقل و حکم علی الدھر میں ذائل کا موحد ہونا ہی قرینہ شافی ہے کہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

تاسعا آپ نے (باآنکہ اسمائے الٰہیہ توقیفیہ ہیں اور خصوصاً آپ بہت جگہ صرف نہ وارد ہونے نہ منقول ہونے کو حجت ممانعت جانتے ہیں) حق سبحانہ کا نیا نام مصوب ایجاد فرمایا ہر جواب کی ابتدا ہوالمصوب سے ہوتی ہے یہ کب احتمال شنیع سے خالی ہے۔ تصویب جس طرح ٹھیک بتانے کو کہتے ہیں یونہی سر جھکانے کو اور مثلاً جو سر جھکائے بیٹھا ہوا سے مصوب اور دونوں معنی حقیقی ہیں تو آپ کے طور پر اس کلمہ میں ایہام تجسیم ہے اور تجسیم کفر و ضلال عظیم ہے۔

عاشراً جب مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف اضافت ہدایت کا اشتباہ امر ممنوع کا اشتباہ اور موجب لزوم احتراز ہے تو بالقصد اس جناب ہدایت مآب کی طرف اضافت ہدایت کس درجہ سخت ممنوع و مفترض الاحتراز ہوگی۔ یہاں مولی علی کو ہادی کہنا حرام ہوگیا۔ حالانکہ یہ احادیث صریحہ و اجماع جمیع ائمہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ شاید یہ عذر کیجئے کہ ہدایت بمعنی خلق کا اشتباہ موجب منع تھا۔ اس معنی پر اضافت قصدیہ ضرور حرام بلکہ ضلال تام ہے نہ بمعنی تسبب کہ جائز و معمول اہل اسلام ہے مگر یہ وہی عذر معمولی ہے جس کا رد گزر چکا۔ کیا جب مولی علی کی طرف اضافت کا اصلاً قصد ہی نہ ہو اس وقت تو بوجہ اشتراک معنی مولی علی کی جانب ہدایت بمعنی خلق کی اضافت کا اشتباہ ہوتا ہے اور جب بالقصد خود حضرت مولی علی ہی کی طرف اضافت مراد ہو تو اب وہ اشتراک معنی جاتا رہتا اور اشتباہ نہیں پاتا۔ اگر مانع اشتباہ مخلوق کا اس معنی کے لئے صالح نہ ہونا ہے تو صورت عدم قصد میں کیوں مانع نہیں۔ اور اگر باوصف عدم صلوح اشتباہ قائم رہتا ہے تو صورت قصد میں کیوں واقع نہیں۔

حادی عشر نہ صرف امیر المومنین علی بلکہ انبیائے کرام و رسل عظام و خود حضور پرنور سید الانام علیہ وعلیہم افضل الصلوۃ والسلام کی طرف اضافت ہدایت اصلاً روا نہ رہے گی کہ بوجہ احتمال معنی دوم ایہام شرک ہے۔ اب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی کہنا بھی حرام ہوگیا۔ اور قرآن عظیم و صحاح احادیث و اجماع امت بلکہ ضروریات دین کے خلاف ہے۔

ثانی عشر خود جناب مجیب نے اپنے فتاویٰ جلد سوم صفحہ ۸۶ میں اس لزوم احتراز کا رد صریح فرمادیا۔ ادعائے ایہام کا فیصلہ یوں دیا۔ فرماتے ہیں۔

سوال عبدالنبی یا مانند آں نام نهادن درست ست یا نه؟

جواب اگر اعتقاد این معنی ست که این کس که عبدالنبی نام دارد بنده نبی ست عین شرک است. و اگر عبد بمعنی غلام مملوک ست آنهم خلاف واقع ست. و اگر مجازا عبد بمعنی مطیع و منقاد گرفته شود مضائقه ندارد. لیکن خلاف اول ست. روی مسلم عن ابی

هريرة رضي الله تعالى عنه ان رسول صلى الله تعالى عليه وسلم قال لا يقولن احدكم عبدي وامتي. كلكم عباد الله كل نساء كم اماء الله ولكن ليقل غلامي و جاريتي فتائي و فتاتي. انتهى۔

اقول قطع نظر اس کے کہ یہ جواب بھی بوجوہ مخدوش ہے۔ اولاً عبد و بندہ میں سوائے اختلاف زبان کے کوئی فرق نہیں ایک دوسرے کا پورا ترجمہ ہے۔ عبد و بندہ دونوں عربی و عجمی۔ دونوں زبانوں میں الہ و خدا، مولی و آقا دونوں کے مقابل بولے جاتے ہیں تو عبد بمعنی بندہ کو مطلقاً عین شرک کہہ دینا ایسا ہی ہے کہ کوئی کہہ دے عین سے مراد عین ہے تو غلط ہے اور چشمہ مقصود ہو تو صحیح۔

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی مثنوی شریف میں حدیث شرائے بلال رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید لیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ہمیں شریک نہ کیا۔ اس پر صدیق رضی اللہ تعالی نے عرض کی۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو!

کردمش آزاد ہم برروئے تو!

لاجرم جو تفصیل عبد میں ہے وہی بندہ میں۔

ثانیاً عبد بمعنی بندہ بمعنی مملوک میں یہ تفرقہ کہ اول شرک اور ثانی خلاف واقع ہے۔ محض بے اصل وضائع ہے مملوک بھی ملک ذاتی حقیقی وملک عطائی مجازی دونوں کو مشتمل اور اول میں قطعاً شرک حاصل اور بندہ بھی مقابل خدا و خواجہ دونوں مستعمل اور ثانی سے یقیناً شرک زائل۔

ثالثاً آپ نے تو عبد بمعنی مملوک کو خلاف واقع یعنی کذب ٹھہرا کر اس ارادہ کو شرک سے اتار کر گناہ مانا مگر ائمہ دین و اولیائے معتمدین وعلمائے مستندین قدس اللہ تعالی اسرارہم اجمعین اس اعتقاد کو کمال ایمان مانتے اور اس سے خالی کو حلاوت ایمان سے بے بہرہ جانتے ہیں حضرت امام اجل عارف باللہ سیدی سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ پھر امام اجل قاضی عیاض شفا شریف پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف یں نقلاً وتذکیراً۔ پھر علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض پھر علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب میں شرحاً وتفسیراً فرماتے ہیں۔

من لم یر ولایة الرسول علیه فی جمیع احواله ولم یر نفسه فی ملکه لا یذوق حلاوة سنته

جو ہر حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کا مملوک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔

رابعاً مولانا عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں نقل فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ زبور شریف میں فرماتا ہے۔
یا احمد فاضت الرحمة علی شفتیک من اجل ذلک ابارک علیک فتقلد السیف فان بهاء ک و حمدک الغالب (الی قوله الامم یخیرون تحتک کتاب حق جاء الله به من الیمن و التقدیس من جبل فاران او امتلات الارض من تحمید احمد و تقدیسه و ملک الارض و رقاب الامم۔
اے احمد تیرے لبوں پر رحمت نے جوش مارا میں اس لئے تجھے برکت دیتا ہوں۔ تو اپنی تلوار حمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف ہی غالب ہے۔ سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی۔ سچی کتاب اللہ لایا برکت و پاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے۔ بھر گئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے۔ احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا (صلی اللہ علیہ وسلم)
کیا زبور پاک کے ارشاد کو بھی معاذ اللہ خلاف واقع کہا جائے گا۔
خامسا امام احمد مسند میں بطریق ابی معشر البراء **ثنی صدقة بن طیسلة ثنی معن بن ثعلبة المازنی والحی بعد ثنی الاعشی المازنی رضی الله تعالی عنه** اور عبداللہ بن احمد زوائد المسند میں **بطریق عوف بن کهمس بن الحسن عن صدقة بن طیسلة. الخ** اور امام جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں **بطریق ابی معشر المذکور نحو روایة احمد سندا و متنا۔** ابن خیثمہ ابن شاہین **بهذا الطریق و بغیره.** اور بغوی و ابن السکن و ابن ابی عاصم **بطریق الجنید بن امین بن ذروة بن نضلة ابن طریف بن بهصل الحرما مازی عن ابیه عن جده نصلة** حضرت اعشیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ خدمت اقدس حضور پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی مسامع قدسیہ پر عرض کی جس کی ابتداء اس مصرع سے تھی۔
یامالک الناس و دیان العرب "اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزا و سزا دینے والے۔"
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نیک ان کی فریاد سن کر رفع شکایت فرمادی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کا مالک کہنا آپ کے گمان میں معاذ اللہ کذب تھا تمام آدمیوں کا مالک بتانا۔ **یا مالک الناس** کہہ کر حضور کو ندا کرنا عیاذاً باللہ سنکھوں مہا سنکھوں کذب کا مجموعہ ہوگا۔ حالانکہ یہ حدیث جلیل شہادت دے رہی ہے کہ صحابی نے حضور کو مالک تمام بشر کہا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبول و مقرر رکھا۔
سادسا بات یہ ہے کہ آپ کے خیال شریف میں مالک و مملوک کے یہی معنی تھے کہ زید عمرو کو تانبے کے کچھ ٹکوں یا چاندی کے چند ٹکڑوں پر خریدے۔ جبھی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت کو خلاف واقع فرمادیا۔ حالانکہ یہ مالکیت سخت پوچ لچر، محض بے وقعت بے قدر ہے کہ جان درکنار گوشت پوست پر بھی پوری نہیں۔ سچی کامل مالکیت وہ ہے کہ جان و جسم سب کو محیط اور جن و

بشر سب کو شامل ہے، یعنی اولی بالتصرت ہونا کہ اس کہ حضور کسی کو اپنی جان کا بھی اصلاً اختیار نہ ہو۔ یہ مالکیت حقہ صادقہ محیط شاملہ تامہ کاملہ حضور پر نور مالک الناس صلی اللہ علیہ وسلم کو بخلافت کبرائے حضرت کبریاء عزوعلا تمام جہان پر حاصل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم ''نبی زیادہ مالک ومختار ہے تمام اہل ایمان کا خود ان کی جانوں سے۔''

وقال اللہ تبارک وتعالیٰ

ماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقدضل ضلالا مبینا

نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو جب حکم کردیں اللہ ورسول کسی بات کا کہ انہیں کچھ اختیار رہے اپنی جانوں کا اور جو حکم نہ مانے اللہ ورسول کا تو وہ صریح گمراہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انا اولی بالمومنین من انفسھم۔ رواہ احمد والبخاری و مسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ

اگر یہ معنی مالکیت جناب مجیب کے خیال میں ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت کو خلاف واقع نہ جانتے اور خود اپنی جان اور سارے جہان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک مانتے۔ اور اس سے زائد مرتبہ حق حقائق ہے۔ جس کے سننے کو گوش شنوا سمجھنے کو دل بینا درکار ہے۔

وماا وتیتم من العلم الاقلیلا وفوق کل ذی علم علیم

ولایلقھا الا الذین صبروا ولا یلقھا الاذوحظ عظیم

سابعاً حدیث مسلم محض بے محل مذکور ہوئی۔ حدیث میں تعلیم تواضع ونفی تکبر اور آقاؤں کو ارشاد ہے کہ اپنے غلاموں کو عبد نہ کہو۔ نہ یہ کہ غلام بھی اپنے کو مولیٰ کا عبد یا دوسرے ان کو ان کے عبید نہ کہیں۔ یہ ہے قرآن کہ ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرما رہا ہے۔ آیت عنقریب گزری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ (راوہ احمد)

''مسلمان پر اپنے عبد اور اپنے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں۔''

والسنۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ

فقہ کا محاورہ عامہ وائمہ صدر اول سے آج تک مستمرہ ہے۔

اعتق عبده دبر عبده

خودمولوی مجیب صاحب اپنے رسالہ نفع المفتی مسائل متعلقہ جمعہ میں فرماتے ہیں۔

ان اذن المولی عبدہ لھا یتخیر۔ وہیں ہے۔ وللمولی منع عبدہ.

عجب ہے کہ زید وعمرو بلکہ کسی کافرومشرک کے غلام کواس کا عبد کہنے پرحدیث واردنہ ہواور محمد رسول اللہ کے غلاموں کوان کا عبد کہنے پرمعترض ہو۔

اور سنئے توسہی! امام ابوحذیفہ اسحاق بن بشیر فتوح الشام اورحسن بن بشران اپنے فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے راوی کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں برسرمنبر فرمایا۔

قدکنت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فکنت عبدہ و خادمہ

''میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھا۔تو میں حضور کا عبدہ حضور کا خدمتی تھا۔''

نیزابن بشران امالی اور ابواحمد دہقان جزء حدیثی اور ابن عساکر تاریخ دمشق اور لالکائی کتاب السنۃ میں افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب بن حزن رضی اللہ تعالی عنہم سے راوی جب امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے۔منبر اطہر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہوکر خطبہ فرمایا۔حمدودرود کے بعد کہا۔

ایھاالناس، انی قد علمت انکم کنتم تونسون منی شدۃ و غلظۃ ذلک انی کنت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ و سلم کنت عبدہ و خادمہ

''لوگو! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ میں سختی ودرشتی پاتے تھے اوراس کا سبب یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میں حضور کا عبد حضور کا بندہ اور حضور کا خدمت گارتھا۔'' (الحدیث)

اب تو ظاہر ہوا کہ حدیث مسلم کواس محل سے اصلاً تعلق نہیں۔ ذرا وہابی صاحب بھی اتنا سن رکھیں کہ یہ حدیث نفیس جس میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفی کہہ رہے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع عام زیر منبر حاضر ہے۔سب سنتے اور قبول کررہے ہیں۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی ازالۃ الخفا میں بحوالہ ابوحذیفہ وکتاب مستطاب الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں استناداً ذکر کی اور مقرر رکھی۔امیر المومنین کو جس طرح بجرم ترویج تراویح معاذ اللہ گمراہ بدعتی لکھ دیا یہاں عیاذاً باللہ مشرک کہہ دیجئے۔اور آپ کے اصول مذہب نامہذب پرضرور کہنا پڑے گا۔مگر صاحبو ذرا سوچ سمجھ کر شاہ ولی اللہ صاحب کا دامن بھی اسی پتھر کے تلے دبا ہے۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر   اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر!

ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم

خیر! بات دور پہنچی۔لفظ عبد و بندہ کی تحقیق تام وتفصیل احکام فقیر کی کتاب مجیر معظم شرح اکسیر اعظم میں ملاحظہ ہو۔یہاں یہ گذارش کرنی ہے کہ مولوی مجیب صاحب کے اس فتوی نے اس ادعائے ایہام کا کام تمام کردیا۔

عبدالنبی میں جناب کے نزدیک تین احتمال تھے۔ایک شرک ایک کذب ایک صحیح۔تو ناجائز احتمال جائز سے دونے تھے۔بایں ہمہ اس کا حکم صرف خلاف اولی فرمایا جو ممانعت وکراہت تحریمی درکنار کراہت تنزیہی کو بھی مستلزم نہیں۔ ہر مستحب کا ترک خلاف اولی ہے مگر مطلقاً مکروہ تنزیہی نہیں۔رد المحتار بحر الرائق سے ہے۔

لایلزم من ترک المستجب ثبوت الکراھۃ ذلا بدلھا من دلیل خاص

اسی میں تحریر الاصول سے ہے۔

خلاف اولی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترک صلوۃ الضحی بخلاف المکروہ تنزیھا

توہدایت علی جس میں چار احتمالوں سے صرف ایک باطل ہے۔یعنی جائز احتمالات ناجائز سے تگنے ہیں۔یہ کس طرح خلاف اولی درکنار مکروہ تنزیہی سے بھی گزر کر لازم الاحتراز ہوگیا؟ اربعہ کے حساب سے تو اسے خلاف اولیٰ کا نصف بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ ۳/۸ یعنی مباح مساوی الطرفین سے اگر سیر بھر دوری پر خلاف اولی کہا جائے تو ہدایت علی میں صرف ڈیڑھ پاؤ ہوگی۔

اس لئے کہ ۳/۲:۱:۲/۴:۱/مجہول۔پس ۱/۴   ۳/۸=۲/۳

خیر! یہ حساب تو ایک تطیب قلوب ناظرین تھا۔حق یہ ہے کہ ہدایت علی میں اصلاً کوئی وجہ کراہت تنزیہی کی بھی نہیں لزوم احتراز تو بڑی چیز ہے۔اور فی الواقع ہر ادنی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبدالنبی سے ہدایت علی کو نسبت ہی کیا ہے۔ جب وہ صرف خلاف اولی ہے تو اسے خلاف اولی کہنا بھی محض بے جا ہے۔کلام یہاں کثیر ہے اور جس قدر مذکور ہوا طالب حق کیلئے کافی۔

والله یقول الحق وهو یهدی السبیل۔ واللہ سبحنه و تعالی اعلم

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفي عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم

مسئلہ ۲۲ ۶ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ موسم سرما میں زوال کس وقت ہوتا ہےاور موسم گرما میں کس وقت؟ اگر موسم سرما میں زوال بحساب قمری بارہ بجے سے پیشتر ہوتا ہے تو بارہ بجے سے پہلے جو شخص نماز ظہر پڑھے گا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب مدلل ارقام فرمایئے۔ بینوا توجروا

الجواب دھوپ گھڑی سے تو ایسا ہی ہے کہ زوال ہمیشہ ٹھیک بارہ بجے ہوتا ہے۔ نہ کبھی پیشتر ہوتا ہے نہ بعد۔ مگر گھڑیوں کے اعتبار سے وقت بلدی صرف چار دن ۱۶ اپریل، ۱۵ جون، یکم ستمبر، ۲۵ دسمبر کے سوا کسی دن ٹھیک بارہ بجے زوال نہیں ہوتا۔ گھڑیوں کی چال روزانہ ایک سی ہوتی ہے اور آفتاب کی چال کبھی ایک سی نہیں۔ اوج ۴ جولائی سے حضیض ۳ جنوری تک تیز ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے زیادہ قوس قطع کرتا ہے۔ اور روزانہ زیادت بھی یکساں نہیں بلکہ آئندہ زیادت پہلی زیادت سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضیض پر اگر غایت سرعت پر پہنچتا ہے۔ پھر حضیض ۴ جنوری سے اوج ۳ جولائی تک چال سست ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے کم قوس قطع کرتا ہےاور روازنہ کمی بھی ایک سی نہیں بلکہ ہر آئندہ کمی پہلی کمی سے کم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اوج پر پہنچ کر نہایت درنگ ہو جاتا ہے۔ پھر وہی دورہ آغاز پاتا ہےاور اس سبب سے کہ ہندوستان میں عام طور پر ریلوے وقت رائج ہے۔ یہ چاروں بھی برابری کے باقی نہ رہے۔ بلکہ بلاد شرقیہ میں بقدر تفاوت طولین تمام تعدیلات ناقص ہوں گی۔ اور بلاد غربیہ میں تمامی تعدیلات اسی قدر بڑھ جائیں گی۔ مثلاً بریلی کے لئے اگر خاص شہر کا وقت دیا جائے تو بلاشبہ یہی چاروں برابری کے ہوں گے۔ جن میں زوال جیسی گھڑی اور دھوپ گھڑی دونوں سے ٹھیک ۱۲ بجے ہوگا۔ اور اگر ریلوے سے وقت دیا جائے تو بقدر تفاوت طولین ۱۲ سیکنڈ ۱۲ منٹ ہے تمامی تعدیلات زائد ہو جائیں گی۔ تو اب چار دن برابری کی جن میں دونوں وقتوں سے زوال ٹھیک ۱۲ بجے تھا ۱۲ سیکنڈ ۱۲ منٹ ت پر ہوگا۔ وعلی ہذا القیاس

تعمیم نفع کیلئے ایک جدول نصف النہار حقیقی وشروع وقت ظہر بریلی بحذف سیکنڈ کہ ایک زمانہ کے لئے کار آمد ہو ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے کہ اس وقت وہی رائج ہے ان وقتوں سے اگر ۱۲ منٹ کم کردیں تو اصلی وقت بریلی کا ہوگا۔

رامپور ودیگر بلاد کے لئے بھی یہ نقشہ بہ حسب زیادتی یا کمی وقت بریلی موافق نقشہ جات رمضان المبارک معدل کرلینے سے ایک زمانہ تک کے لئے ابتدائی وقت ظہر معلوم کرنے کا ایک اعلی درجہ کا آلہ ہوگا۔ نماز ظہر میں گھڑیوں کے ۱۲ بجے کا کچھ اعتبار نہیں اگر نصف النہار کے بعد نماز پڑھی، ہوگئی اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ ۲۸ نومبر کو بریلی میں ریلوے ٹائم سے ٹھیک ۱۲ بجے نصف النہار ہے۔ پھر بعد کو ہوا کرے گا یہاں تک کہ یکم فروری کو ۱۲ ت ۲۶ منٹ پر ہو کر گھٹنا شروع ہوگا، حتی کہ ۸ مئی کو ۱۲ ت ۸ منٹ پر ہوگا۔ پھر بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک ۱۵ جولائی کو ۱۲ ت ۱۸ پر ہوگا۔ پھر گھٹتے گھٹتے ۱۷ اکتوبر کو ٹھیک ۱۲ بجے ہو کر گھٹتا یہاں تک ۱۲ بجے سے پہلے وقت ہو

جائے گا۔ یہاں تک ۲۴ اکتوبر ۲۴ اکتوبر کو منتہاے نقصان ۱۱ ت ۵۶ منٹ پر آ کر بڑھنا شروع ہوگا اور ۲۸ نومبر کو پھر ٹھیک ۱۲ بجے زوال ہوگا۔ تو ۷ اکتوبر سے ۲۸ نومبر تک جس شخص نے ٹھیک ۱۲ بجے یا کچھ پہلے مگر نصف النہار کے بعد نماز پڑھ لی نماز ہوگئی۔ ہاں جس نے وقت سے پہلے پڑھی اس کی نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۲۳ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایمان کی تعریف کیا ہے اور ایمان کامل کیسے ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جاننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو صدق دل سے ماننا ایمان ہے، جو اس کا مقر ہے اسے مسلمان جانیں گے جب کہ ان کے کسی قول یا فعل یا حال اللہ کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے۔ اور جس کے دل میں اللہ و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو، اللہ و رسول کے محبوبوں سے محبت رکھے۔ اگرچہ اپنے دشمن ہوں اور اللہ کیلئے دے۔ جو کچھ روکے اللہ کیلئے روکے۔ اس کا ایمان کامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من احب للہ و ابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ

علمائے اہل سنت وجماعت کی خدمت میں گذارش ہے کہ آج کل اکثر سنی فرقہ باطلہ کی صحبت میں رہ کر چند مسائل سے بدعقیدہ ہو گئے ہیں۔ اگرچہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں ہر قسم کے مسائل موجود ہیں۔ لیکن احقر کی نگاہ سے یہ مسئلہ نہیں گذرا اس واسطے اس کی زیادہ ضرورت ہوئی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت زید کہتا ہے کہ وہ لالچی شخص تھے۔ یعنی نے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ سے لڑ کر ان کی خلافت لے لی اور ہزارہا صحابہ کو شہید کیا۔

بکر کہتا ہے کہ میں ان کو خطا پر جانتا ہوں کہ ان کو امیر نہ کہنا چاہئے۔

عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین کرنا گمراہی ہے۔

ایک اور شخص جو اپنے آپ کو سنی المذہب کہتا ہے اور کچھ علم بھی رکھتا ہے۔ (حق یہ ہے کہ وہ نرا جاہل ہے) وہ کہتا ہے کہ سب صحابہ اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ منہا) لالچی تھے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی اور وہ اپنے اپنے خلیفہ ہونے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

ان چاروں شخصوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ان کو سنت جماعت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور حضور کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟ جواب مدلل عام فہم ارقام فرمایئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب اللہ عزوجل نے سورۃ حدید نے صحابہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف با اسلام ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا جہاد کیا۔ دوسرے وہ کہ بعد۔ پھر فرمایا دیا۔ **وکلا وعد اللّٰہ الحسنی** دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان فرماتا ہے۔ **اولئک عنھا مبعدون O لا یسمعون حسیسھا و ھم فی ما اشتھت انفسھم خلدون O لا یحزنھم الفزع الاکبر و تتلقھم الملئکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون O** وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ قیامت کی وہ سب سے بڑی گھڑی انہیں غمگین نہ کرے گی فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتایا ہے تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا **واللّٰہ بما تعملون خبیر** ''اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔'' بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح

شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔

ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذاک منِ کلاب الھاویۃ

''جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے۔''

ان چار شخصوں میں عمرو کا قول سچا ہے زید و بکر جھوٹے ہیں اور چوتھا شخص سب سے بدتر خبیث رافضی تبرائی ہے۔ امام کا مقرر کرنا ہر مہم سے زیادہ مہم ہے۔ تمام انتظام دین و دنیا اسی سے متعلق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا اصلاً کوئی خلل متحمل نہ تھا۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام بعد انتقال ایک سال کھڑے رہے سال بھر بعد دفن ہوئے۔ جنازہ مبارکہ حجرہ ام المومنین صدیقہ میں تھا جہاں اب مزار انور ہے اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کو اس نماز اقدس سے مشرف ہونا ایک ایک جماعت آتی اور پڑھتی اور باہر جاتی۔ دوسری آتی۔ یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا۔ اگر تین برس میں ختم ہوتا تو جنازہ اقدس تین برس یوں ہی رہنا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھا۔ ابلیس کے نزدیک یہ اگر لالچ کے سبب تھا تو سب سے سخت تر الزام امیر المومنین مولی علی پر ہے یہ تو لالچی نہ تھے۔ اور کفن دفن کا کام گھر والوں سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ یہ کیوں تین دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ انہوں نے رسول کا یہ کام کیا ہوتا۔ پچھلی خدمت بجالائے ہوتے تو معلوم ہوا کہ اعتراض ملعون ہے اور جنازہ انور کا جلد دفن نہ کرنا ہی مصلحت دینی تھا جس پر علی مرتضیٰ اور سب صحابہ نے اجماع کیا مگر۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد　　　　عیب نماید بہ نگاہش ہنر!

یہ خبثا خذلہم اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو ایذا نہیں دیتے بلکہ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔

من اذاھم فقد اذانی ومن فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک اللہ ان یاخذہ

جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۵ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کر دیتا ہے کہ جس وقت روپیہ دیا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ ۱۰ما / کا تھا اور اس نے ۱۴ما / فی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپے دے دیا۔ اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم وبیش ۱۴ما / سے فروخت ہو لیکن وہ فی روپیہ ۱۴ما / کے حساب غلہ لے لے گا۔ بکر کہتا ہے کہ تو نے سود لیا۔ کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرا لیا۔

الجواب یہ صورت بیع سلم کی ہے۔ اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلا شبہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے۔ ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھر لے۔ لقولہ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر شرط رہ گئی۔ مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعین نہ ہوئی یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی۔ یا معیار مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام وکمال ادا نہ کر دیا تو ضرور حرام وسود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا۔ اور اگر خریدم وفروختم کا مضمون درمیان نہ آیا۔ مثلاً اس نے کہا کہ ۱۴ سیر لیں گے۔ اس نے کہا دوں گا۔ تو یہ نہ سود نہ حرام نہ اس کے لئے کسی شرط کی حاجت نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے۔ اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

فقیر احمد رضا عفی عنہ

مسئلہ ۲۶ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵/ ما کے دوں گا۔ اور خالد نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اسی نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا۔ بکر نے کہا کہ میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے۔ تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت دس سیر کا نرخ ہے لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا لے گئے اور فروخت کے لئے دس دس روپیہ اپنے صرف میں لائے۔ اب زید کو فصل پر فی روپیہ ۱۵ من گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ ۱۲/ ما گندم نرخ بازار دیتا ہوے۔ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے۔ ڈھائی من گیہوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں۔ روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرا لیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دینا تو شرط باطل تھی زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا۔ اور اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی۔ اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۲۷ اشعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر میں بہت جگہ نماز جمعہ ہوتی ہے تو ہر وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہے جامع مسجد ہے اور جامع مسجد ہے اور جامع مسجد کی فضیلت رکھتی ہے یا وہی ایک مسجد جو متصل قلعہ کے جامع مسجد مشہور ہے؟ اور شہر میں بہت جگہ جمعہ ہونے میں کچھ ممانعت تو نہیں ہے؟ اور جمعہ میں کم از کم کتنے آدمی ہوں جو جمعہ ہو سکے؟ اور زیادہ ثواب شہر کی کس کس مسجد میں ہے؟

بینوا توجروا

الجواب جامع مسجد وہی ایک ہے۔ شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہونے کی ممانعت نہیں۔ جمعہ کے لئے کم سے کم امام کے سوا تین آدمی ہوں۔ مگر جمعہ وعیدین کا امام ہر شخص نہیں ہوسکتا۔ وہی ہوگا جو سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب یا اس کا ماذون اور ان میں کوئی نہ ہو تو بضرورت جسے عام نمازی امام جمعہ مقرر کرلیں۔ جمعہ کا زیادہ ثواب جامع مسجد میں ہے۔ مگر جب کہ دوسری مسجد کا امام اعلم و افضل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۸ ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے؟ اور وہ کون کون لفظ ہیں جن سے طلاق ہو جاتی ہے؟ اور پھر اس کو اپنے نکاح میں کیسے لاسکتا ہے؟ **بینوا توجروا.**

الجواب طلاق تین قسم ہے۔ رجعی، بائن، مغلظہ۔ رجعی وہ جس سے عورت فی الحال نکاح سے نہیں نکلتی۔ عدت کے اندر اگر شوہر رجعت کرلے وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی۔ ہاں عدت گزر جائے اور رجعت نہ کرے تو اس وقت نکاح سے نکلے گی پھر بھی برضائے خود نکاح کرسکتے ہیں۔

بائن وہ جس سے عورت فی الفور نکاح سے نکل جاتی ہے۔ ہاں برضائے خود نکاح کرسکتے ہیں۔ عدت کے اندر خواہ بعد۔

مغلظہ وہ کہ عورت فوراً نکاح سے نکل بھی گئی اور اب کبھی ان دونوں کا نکاح نہیں ہوسکتا جب تک حلالہ نہ ہو۔ یہ تین طلاقوں سے ہوتا ہے۔ خواہ ایک ساتھ دی ہوں خواہ برسوں کے فاصلہ سے۔

رجعی دی ہوں یا بائن۔ بالبعض رجعی بعض بائن طلاق کے سینکڑوں لفظ ہیں۔ بعض سے رجعی پڑتی ہے بعض سے بائن بعض سے مغلظہ۔ رجعی و بائن کے تقریباً دو سو لفظ ہم نے اپنے فتاوے میں ذکر کیے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۲۹ ۲۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذکر میں۔

(۱) صاحب نصاب رائج الوقت کے کتنے روپیہ سے ہوسکتا ہے؟

(۲) کیا نوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے؟ نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

(۳) فیصدی زکوۃ کا کیا دینا ہوتا ہے؟

(۴) جس شخص کے پاس روپیہ نہ ہو اور سونے چاندی کا زیور روزمرہ پہنے کا بقدر نصاب ہوگیا اس کو اس زیور میں زکوۃ دینا ہوگی؟

(۵) جس روپیہ میں زکوۃ پہلے سال دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا۔ اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوۃ دے چکا ہے دینا ہوگی؟

(۶) فطرہ کے گندم بریلی کے وزن سے فی کس کتنے ہونے چاہیں؟

(۷) جو شخص روزہ رکھے یا نہ رکھے بالغ یا نابالغ سب کا فطرہ دینا واجب ہے؟

(۸) جو شخص بوجہ ضعیفی کے روزہ نہ رکھ سکے اس کو فی روزہ کتنی خوراک مسکین کو دینا ہوگی؟ وہ مسکین روزہ دار ہو یا غیر روزہ دار؟

بینوا توجروا

الجواب

(۱) نصاب انگریزی رائج روپوں سے چھپن روپے ہے۔

(۲) نوٹ اور روپیہ کا ایک حکم نہیں ہوسکتا۔ روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ ہے اصطلاحی ثمن ہے۔ تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ وہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔

(۳) زکوۃ ہر نصاب وخمس نصاب پر چالیسواں حصہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لئے نافع یہ ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔

(۴) بے شک۔

(۵) دس برس رکھا رہے ہر سال زکوۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے۔ یہ اس لئے کہ جب پہلے سال کی زکوۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کرکے باقی پر زکوۃ ہوگی۔ تیسرے سال اگلے دونوں برسوں کی زکوۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی۔ یونہی اگلے سب برسوں کی زکوۃ ملا کر کے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

(۶) اٹھنی بھر اوپر پونے دوسیر۔

(۷) اپنا صدقہ واجب ہے اور اپنی نابالغ اولاد کا اگرچہ ایک ہی دن کی ہو۔ اور بالغ اولاد یا زوجہ صاحب نصاب ہوں تو ان کا صدقہ ان پر ہے۔ نہ ہوں تو کسی پر نہیں۔ غرض اس سے کسی حال اس کا مطالبہ نہیں۔ ہاں ان کے اذن سے ان کی طرف سے دے دے تو احسان ہے۔

(۸) فی روزہ وہی اٹھنی بھر اوپر پونے دوسیر گیہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۰ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرمان ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ آج کل عموماً بہت لوگ مساجد میں دنیوی باتیں کرتے بلکہ بعض بعض بے باک تو قہقہہ آپس میں دل لگی کرتے ہیں اور مسجد کا کوئی ادب نہیں سمجھتے کہ یہ خانہ خدا ہے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور مسجد میں باتیں کرنے کی مذمت اور خاموش رہنے کی بھلائی مع حدیث شریف بیان فرمائی جائے تاکہ ایسے لوگ عبرت حاصل کریں۔

الجواب مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو ایسا کھاتی ہے جیسا آگ لکڑی کو۔ اور مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیرے لاتا ہے۔ اس کی حدیثیں بارہا بیان ہوئیں مگر کون سنتا ہے۔ اللہ ہدایت دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۱ ۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا قول ہے علمائے حقانی کا مسئلہ ذیل میں کہ ناجائز روپیہ یعنی سود وشراب ورشوت وغیرہ اگر نیک کام، مسجد، مدرسہ، چاہ، نیاز، فاتحہ، عرس وغیرہ میں لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس مسجد میں نماز، مدرسہ میں علم اور چاہ کا پانی اور فاتحہ عرس کا کھانا کھائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اسی روپیہ کو خیرات کیا جائے اور امید ثواب رکھی جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسے روپیہ کو کسی شرعی حیلہ جائز کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ حیلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حرام روپیہ کسی کام میں لگانا جائز نہیں، نیک کام ہوں یا اور، سوا اس کے کہ جس سے لیا اسے واپس دے۔ یا فقیروں پر تصدیق کردے بغیر اس کے کوئی حیلہ اس کے پاک کرنے کا نہیں۔ اسے خیرات کرکے جیسا پاک مال پر ثواب ملتا ہے اس کی امید رکھے تو سخت حرام ہے بلکہ فقہاء نے کفر لکھا ہے۔ ہاں جو شرع نے حکم دیا کہ حقدار نہ ملے تو فقیروں پر تصدق کردے۔ اس حکم کو مانا تو اس پر ثواب کی امید کرسکتا ہے۔ مسجد مدرسہ وغیرہ میں بعینہ روپیہ نہیں لگایا جاتا بلکہ اس سے اشیاء خریدتے ہیں۔ خریداری میں اگر یہ نہ ہوا ہو کہ حرام دکھا کر کہا کہ اس کے بدلے فلاں چیز دے۔ اس نے دی اس نے قیمت میں زرحرام دیا تو جو چیز خریدیں وہ خبیث نہیں ہوتی۔ اس صورت میں فاتحہ وعرس کا کھانا جائز ہے اور اکثر یہی صورت ہوتی ہے۔ مسجد میں نماز، مدرسہ میں تحصیل علم جائز ہے۔ اور کنویں کا پانی تو ہر طرح جائز ہے اگرچہ اس میں وہ نادر صورت پائی گئی ہو کہ خباثت آئی تو اینٹوں مسالہ میں نہ کہ زمین کے پانی میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۲ ۱۱شوال ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا کہ ملازمت چنگی کی جائز ہے یا نہیں؟ اور حاکم وقت کو اس کا روپیہ تحصیل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ روپیہ رعایا سے تحصیل کرنا رعایا ہی کی آسائش کے واسطے روشنی سڑک وغیرہ کے کام میں لگا دیتے ہیں۔ اور چنگی کا محصول چرانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب نیک نیت سے۔ چنگی کی نوکری تحصیل وصول کی جائز ہے۔ نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار۔ الخ

چوری یعنی دوسرے کا مال معصوم بے اس کے اذن کے اس سے چھپا کر ناحق لینا کسی کو بھی جائز نہیں۔ اور جائز نوکری میں نوکر کا خلاف قرارداد کرنا غدر ہے اور غدر مطلقاً حرام ہے۔ نیز کسی قانونی جرم کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو بلا ذلت وبلا کیلئے پیش کرنا شرعاً بھی جرم ہے۔ کما استفید من القران المجید والحدیث رہا کہ حکام وقت کو اس کا تحصیلنا شرعاً کیسا ہے؟ نہ حکام کو اس بحث ہے نہ سائل حاکم۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۳ ۲۲ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کفار کس قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے؟ اور صحبت کون سے کفار کی سب سے زیادہ مضر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اللہ عزوجل ہر قسم کے کفرو کفار سے بچائے کافر دو قسم ہے۔ اصلی و مرتد۔ اصلی وہ جو شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے۔ یہ دو قسم ہے۔ مجاہر و منافق۔ مجاہر وہ کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو۔ اور منافق وہ کہ بظاہر کلمہ پڑھتا اور دل میں منکر ہو۔ یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام سے بدتر ہے۔

ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار ''بے شک منافقین سب سے نیچے طبقہ دوزخ میں ہیں۔''

کافر مجاہر چار قسم ہے۔ اول، دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔ دوم، مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود اور واجب الوجود جانتا ہے جیسے ہندو بت پرست کہ بتوں کو واجب الوجود تو نہیں مگر معبود مانتے ہیں۔ اور آریہ خود پرست کہ روح و مادہ کو معبود تو نہیں مگر قدیم و غیر مخلوق جانتے ہیں دونوں مشرک ہیں۔ اور آریوں کو موحد سمجھنا سخت باطل۔ سوم، مجوسی آتش پرست۔ چہارم، کتابی یہود و نصارٰی کہ دہریے نہ ہوں۔ ان میں اول تین قسم کے ذبیحہ مردار اور ان کی عورتوں سے نکاح باطل۔ اور قسم چہارم کی عورت سے نکاح ہو جائے گا اگرچہ ممنوع و گناہ ہو۔ کافر مرتد وہ کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مجاہر و منافق۔ مرتد مجاہر ہو کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا۔ کلمہ اسلام کا منکر ہو گیا چاہے دہریہ ہو جائے یا مشرک یا مجوسی کتابی کچھ بھی ہو۔ مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں کسی شے کا منکر ہے۔ جیسے آج کل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں۔ حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے۔ اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا اس کا نکاح کسی مسلم، کافر، مرتد اس کے ہم مذہب ہوں یا مخالف مذہب، غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو یا عورت۔

مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔ یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔ خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت و جماعت کہتے حنفی بنتے، چشتی نقشبندی بنتے، نماز روزہ ہمارا سا کرتے، ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ رسول کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں۔ ہوشیار، خبردار، مسلمانو! اپنا دین وایمان بچائے ہوئے۔ فاللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۴ ۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے علمائے اہل سنت و جماعت کا اس مسئلہ میں مسجد کے اندر سوال کرنا اپنے یا غیر کے واسطے اور سائل کو دینا اس کے یا غیر کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب یہ جو مسجد میں غل مچاتے رہتے ہیں، نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے صفوں میں پھرتے ہیں مطلقاً حرام ہے۔ اپنے لئے مانگیں خواہ دوسرے کے لئے حدیث میں ہے۔

جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم ورفع اصواتکم

"مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں اور بلند آوازوں سے بچاؤ۔"

رواہ ابن ماجۃ عن واثلۃ بن الاسقع و عبدالرزاق عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما

حدیث میں ہے۔

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ اتخذ جسرا الی جھنم

"جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم تک پہنچنے کا اپنے لئے پل بنایا۔"

(رواہ احمد الترمذی و ابن ماجہ عن معاذبن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ)

اور اگر یہ باتیں نہ ہوں جب بھی اپنے لئے مسجد میں بھیک مانگنا منع ہے۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من سمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لا اداھا اللّٰہ الیک فان المساجد لم تبن لھذا

"جو کسی کو مسجد میں اپنی گمی چیز دریافت کرتے سنے اس سے کہے اللّٰہ تجھے وہ چیز نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہ بنیں۔"

(رواہ احمد و مسلم و ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ)

جب اتنی بات منع ہے تو بھیک مانگنی خصوصاً اکثر بلا ضرورت بطور پیشہ کہ خود ہی حرام ہے یہ کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ ولہٰذا ائمہ دین نے فرمایا ہے جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے وہ ستر پیسے راہ خدا میں اور دے کہ اس پیسہ کے گناہ کا کفارہ ہوں۔ اور دوسرے محتاج کے لئے امداد کو کہنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا جس میں نہ غل نہ شور، نہ گردن پھلانگنا، نہ کسی کی نماز میں خلل یہ بلاشبہ جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ اور بے سوال کسی محتاج کو دینا بہت خوب اور مولیٰ علی کرم اللّٰہ تعالیٰ وجہہ سے ثابت ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۵ ۶/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل لوگ خیرات اس قسم کی کرتے ہیں کہ چھتوں اور کوٹھوں پر سے روٹیاں اور ٹکڑے روٹیوں کے اور بسکٹ وغیرہ پھینکتے ہیں ور صدہا آدمی ان کو لوٹتے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک گرتا ہے اور بعض کے چوٹ لگ جاتی ہے اور وہ روٹیاں زمین میں گر کر پاؤں سے روندی جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات غلیظ نالیوں میں بھی گرتی ہیں۔ اور رزق کی سخت بے ادبی ہوتی ہے اور یہی حال شربت کا ہے کہ اوپر سے آبخوروں میں وہ لوٹ مچائی جاتی ہے کہ آدھا آبخورہ بھی شربت کا نہیں رہتا اور تمام شربت گر کر زمین پر بہتا ہے۔ ایسی خیرات اور لنگر جائز ہے؟ یا بوجہ رزق کے بے ادبی کے گناہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب یہ خیرات نہیں، شرور وسیئات ہے۔ نہ ارادہ وجہ اللہ کی یہ صورت ہے بلکہ ناموری اور دکھاوے کی، اور وہ حرام ہے۔ اور رزق کی بے ادبی اور شربت کا ضائع کرنا گناہ ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفي عنه بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۶ ۲۶/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں درخت امرود، بیلہ، گلاب وغیرہ ہو اور بوجہ تعمیر ہونے حجرہ وغسل خانہ کے ان درختوں کو کاٹا جائے۔ تو کوئی شخص ان درختوں کو کھود کر اپنے مکان میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ پیال یا لڑسی موسم سرما میں جو مسجدوں میں ڈالی جاتی ہے اور بعد گذر جانے موسم سرما کے اس نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ تو جو شخص اس پیال یا لڑسی یا چٹائی کہنہ جو قابل پھینک دینے کے ہو اس کو اپنے صرف میں مثل پانی گرم کرنے کے لا سکتا ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ منڈیر یا فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں وہ مسجد کے حکم میں ہے؟ کیا مثل مسجد کے بات وغیرہ کرنے کی وہاں بھی ممانعت ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب ان درختوں کو مسجد کے واجبی ومناسب قیمت پر مول لے کر لگا سکتا ہے۔ پیال یا چٹائی بیکار شدہ کہ پھینک دی جائے لے کر صرف کر سکتا ہے فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے۔ معتکف بلا ضرورت اس پر جا سکتا ہے۔ اس پر تھوکنے یا ناک صاف کرنے یا کوئی نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں۔ بیہودہ باتیں قہقہے سے ہنسنا وہاں بھی نہ چاہئے۔ اور بعض باتوں میں حکم مسجد میں نہیں۔ اس پر اذان دیں گے، اس پر بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں۔ جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں۔ دنیا کی جائز قلیل بات جس میں نہ چپقلش ہو، نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا، اس میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۷ ۱۰/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ بعد دفن کردینے میت کے حافظ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم وبیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں۔ پس اس طرح کی اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہنچے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کے لئے نوکر رکھ لیں۔ پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ آیا کرو۔ یہ جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفي عنه بمحمدن المصطفٰي صلى الله عليه وسلم

مسئلہ ۳۸ ۷/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ بیمار آدمی کے ساتھ کھاتے ہوئے پرہیز کرتے ہیں اور اس مریض کا کپڑا نہیں پہنتے اور کہتے ہیں بیماری ایک آدمی کی دوسرے شخص کو لگ جاتی ہے۔ آیا حدیث میں اس کی کوئی ممانعت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب یہ جھوٹ ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو اڑ کر لگتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لاعدوی** بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ اور فرماتے ہیں **فمن اعدی الاول** اس دوسرے کو تو پہلے کی اڑ کر لگی اس پہلے کو کس کی لگی۔ جس مریض کے بدن سے نجاست نکلتی اور کپڑوں کو لگتی ہو۔ جیسے تر خارش یا معاذ اللہ جذام میں اس کا کپڑا نہ پہنا جائے۔ نہ اس خیال سے کہ بیماری لگ جائے گی نجاست سے احتیاط کے لئے۔ اور جہاں یہ نہ ہو کپڑا پہنے میں حرج نہیں۔ یونہی ساتھ کھانے میں، جب کہ ایمان قوی ہو کہ اگر معاذ اللہ بتقدیر الٰہی اسے وہی مرض ہوجائے تو یہ نہ سمجھے کہ ساتھ کھانے یا اس کا کپڑا پہنے سے ہوگیا۔ ایسا نہ کرتا تو نہ ہوتا۔ اور اگر ضعیف الایمان ہے تو وہ ان مرض والوں سے بچے جن کی نسبت متعدی ہونا عوام کے ذہن میں جما ہوا ہے جیسے جذام والعیاذ باللہ تعالٰی۔ یہ بچنا اس خیال سے نہ ہو کہ بیماری لگ جائے گی۔ کہ یہ تو مردود وباطل ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ عیاذاً باللہ اگر بتقدیر الٰہی کچھ واقع ہوا تو ایمان ایسا قوی نہیں کہ شیطانی وسوسہ کی مدافعت کرے۔ اور جب مدافعت نہ ہو سکی تو فاسد عقیدہ میں مبتلا ہونا ہوگا۔ لہٰذا احتراز کرے۔ ایسوں کو حدیث میں ارشاد ہوا **فر عن المجذوم کما تفر من الاسد** "جذوم سے بھاگ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتب

عبدالمذنب احمد رضا

عفي عنه بمحمدن المصطفٰي صلى الله عليه وسلم

مسئلہ ۳۹ ۲۰/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

علمائے اہل سنت و جماعت کی خدمت میں گذارش ہے کہ ۱۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ کو میں مسجد اسٹیشن جنکشن پر نماز ظہر پڑھنے گیا (کیونکہ اس چوکی پر میری تعیناتی تھی) مرزا صاحب امام مسجد نے بعد اذان ظہر صلوۃ کہی۔ ایک صاحب محمد نبی احمد ساکن سنبھل نے کہا یہ جو آپ نے صلوۃ کہی یہ بدعت ہے۔ بعد گفتگو کے وہ صاحب بہت تیز ہوئے اور کہا تمام شہروں میں گیا مگر یہ طریقہ جو آپ کے یہاں ہے نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب نے کہا میں عالم نہیں ہوں جو آپ کو سمجھاؤں۔ اگر آپ اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ میرے ہمراہ شہر میں چلئے، وہاں کے عالم آپ کا اطمینان کردیں گے۔ اس پر وہ راضی نہ ہوئے اور بدعت بدعت کرتے رہے اور کہا کہ کسی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں یہ صلوۃ نہ تھی۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ اکثر شہروں میں مثل رامپور وغیرہ کے بعد نماز صلوۃ ہوتی ہیں اور ہمارے سردار رسول اکرام نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجنے کو آپ بدعت کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں یہ مدرسہ و سرائے وغیرہ نہیں تھی ان کو بھی آپ بدعت کہتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ بدعت مباح ہے میں نے کہا صلوۃ بدعت حسنہ ہے جس ثواب ہم اہل سنت ہی کی قسمت میں اللہ عزوجل نے لکھ دیا ہے اور منکر اس ثواب سے محروم ہیں۔ اب گذارش یہ ہے کہ صلوۃ کب سے جاری ہے؟ اور اس کی قدرے تفصیل مع دلائل اور ایسا شخص جو ہمارے سردار معظم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کو بدعت کہے گمراہی ہے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب آپ ٹھیک جواب دیا اور جس امر کا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنے ملائکہ کا فعل بتاتا ہو اسے بدعت کہہ کر منع کرنا انہیں وہابیوں کا کام ہے۔ اور وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہوگا کہ اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے۔ وہ کذب کو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اس نے **الا عبادک منھم المخلصین** استثنا کردیا تھا یہ اللہ عزوجل پر جھوٹ کی تہمت رکھتے ہیں۔ **قاتلھم اللہ انی یوفکون** صلوۃ بعد اذان ضرور مستحسن ہے۔ ساڑھے پانچ سو برس سے زائد ہوئے بلاد اسلام حرمین شریفین و مصروشام وغیرہ میں جاری ہے۔ درمختار میں ہے۔ **والتسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر ۷۸۱ سبع مائۃ واحدی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الاالمغرب ثم فیھا مرتین. وھو بدعۃ حسنۃ** قول البدیع امام سخاری ہے۔ **والصوب انہ بدعۃ حسنۃ یوجر فاعلہ۔ واللہ تعالٰی اعلم**

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۰ ۲۹/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا کہ تمباکو کو کھانا حرام ہے یا مکروہ؟ جو لوگ تمباکو پان کھانے کے عادی ہوتے ہیں وہ اگر تمباکو پان کھا کر تلاوت قرآن عظیم و دیگر وظائف درود شریف وغیرہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب بقدر ضرر و اختلال حواس کھانا حرام ہے۔ اور اس طرح کہ منہ میں بو آنے لگے بار کھا کے کلیوں سے خوب منہ صاف کر دیں کہ بو آنے نہ پائے تو خالص مباح ہے۔ بو کی حالت میں کوئی وظیفہ نہ چاہئے۔ منہ اچھی طرح صاف کرنے کے بعد ہو۔ اور قرآن عظیم تو حالت بدبو میں پڑھنا اور بھی سخت ہے۔ ہاں جب بدبو نہ ہو تو درود شریف و دیگر وظائف اس حالت میں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ منہ میں پان یا تمباکو ہو اگرچہ بہتر صاف کر لینا ہے۔ لیکن قرآن عظیم کی تلاوت کے وقت ضرور منہ بالکل صاف کر لیں۔ فرشتوں کو قرآن عظیم کا بہت شوق ہے اور عام ملائکہ کو تلاوت کی قدرت نہ دی گئی۔ جب مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر منہ رکھ کر تلاوت کی لذت لیتا ہے۔ اس وقت اگر منہ میں کھانے کی کسی چیز کا لگاؤ ہوتا ہے فرشتہ کو ایذا ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

طیبوا افواھکم بالسواک فان افواھکم طریق القران

''اپنے منہ مسواک سے ستھرے کرو کہ تمہارے منہ قرآن عزیز کا راستہ ہیں۔''

رواہ السنجری من الابانتہ بعض الصحبتہ رضی ا ... تعا ... عنھم بسند حسن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قام احدکم یصلی من اللیل فلیستک ان احدکم اذا قرا فی صلاتہ وضع ملک فاہ علی فیہ ولا یخرج من فیہ شئی الادخل فم الملک. (رواہ البیھقی فی الشعب و تمام فی فوائدہ والضیاء فی المختارۃ عن جابر بن عبدہ اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما وھو حدیث صحیح

''جب تم میں کوئی تہجد کو اٹھے مسواک کر لے کہ جو نماز میں تلاوت کرتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھتا ہے جو اس کے منہ سے نکلتا ہے فرشتہ کے منہ داخل ہوتا ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے۔

لیس شئی اشد علی الملک من ریح الثمر ماقام عبد الی صلوۃ قط الا التقم فاہ ملک ولایخرج من فیہ ایۃ الا یدخل فی فی الملک

"فرشتہ پرکوئی چیز کھانے کی بو سے زیادہ سخت نہیں۔ جب بھی مسلمان نماز کو کھڑا ہوتا ہے فرشتہ اس کا منہ اپنے میں لے لیتا ہے جو آیت اس کے منہ سے نکلتی ہے فرشتہ کے منہ میں داخل ہوتی ہے۔"

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٤١ ٣/جمادی الاولی شریف ١٣٣٨ھ

علمائے اہل سنت کی خدمت میں گذارش ہے مسلمان پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر کافر یا رافضی یا وہابی کسی مسلمان کے پڑوسی ہوں تو ان کا بھی وہی حق ہوگا جو مسلمان کا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب مسلمان پڑوسی کے بہت حق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننتانہ انہ یورثہ رواہ البیھقی فی السنن عن ام المومنین الصدقتہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما بسند صحیح

"جبریل مجھ سے پڑوسی کے حق کی تاکیدیں بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اسے ترکہ کا وارث کردیں گے۔"

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق الجار علی جارہ ان مرض عدتہ وان مات شیعتہ وان استقرضک اقرضتہ وان اعور سترتہ وان اصابہ خیر ھناتہ وان اصابتہ مصیبۃ عزیتہ ولا ترفع بناک فوق بنائہ فتسد علیہ الریح ولا توذیہ بریح قدرک الا ان تعزف لہ منھا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر عن معویتہ بن حیدۃ القشیری رضی اللّٰہ عنہ

ترجمہ

ہمسائے کا ہمسائے پر حق یہ ہے کہ (١) بیماری پڑے تو اس کے پوچھنے کو جائے اور (٢) مرے تو اس کے جنازہ کو جائے اور (٣) وہ تجھ سے قرض مانگے تو اسے قرض دے (٤) اور اس کا کوئی عیب معلوم ہوجائے تو اسے چھپائے (٥) اور اسے کوئی

بھلائی پہنچے تو تو اسے مبارکباد دے (۶) اور کوئی مصیبت پڑے تو اسے دلاسا دے (۷) اور اپنی دیوار اس کی دیوار سے اتنی اونچی نہ کر کہ اس کے مکان کی ہوا رکے (۸) اور اپنی دیگچی کی خوشبو سے اسے ایذا نہ دے مگر یہ کہ اس کھانے میں سے اسے بھی حصہ دے (یعنی تو امیر ہے اور وہ غریب اور تیرے یہاں عمدہ کھانے پکتے ہیں، خوشبو اسے پہنچے گی۔ وہ ان پر قادر نہیں اس سے ایذا پائے گا۔ لہٰذا اس میں سے اسے بھی دے کہ وہ ایذا خوشی سے مبدل ہو جائے)۔

رافضی وہابی کا کوئی حق نہیں کہ وہ مرتد ہیں۔ نہ کسی کافر غیر ذمی کا اور یہاں کے سب کافر ایسے ہی ہیں۔ ان کے بارے میں صرف اتنا ہی ہے کہ ان کے غدر و بد عہدی جائز نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۲ ۱۲/ جمادی الاولیٰ شریف ۱۳۳۸ھ

راہبران دین ومفتیان شرع متین کا کیا حکم ہے کہ نیاز فاتحہ میں کیا فرق ہے؟ اور نیاز فاتحہ دینے کا مستحب طریقہ۔ اور یہ کہ جس کی نیاز یا فاتحہ دلائی جائے اس کو ثواب کس طریقہ سے پہنچائے؟ اور سوائے اس کے اور مسلمانوں کو کس طرح کہہ کر ثواب پہنچائے؟

بینوا توجروا

الجواب مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے وغیرہ کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اولیائے کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورۂ اخلاص، اول آخر ۳۔۳ یا زائد بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کرے کہ الٰہی! میرے اس پڑھنے (اور اگر کھانا کپڑا وغیرہ بھی ہوں تو ان کا نام بھی شامل کرے اور اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر) جو ثواب مجھے عطا ہوا سے میرے عمل کے لائق نہ دے، اپنے کرم کے لائق عطا فرما۔ اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پر نور سیدنا غوث اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر پہنچا، اور ان کے آبائے کرام اور مشائخ عظام و اولاد و امجاد و مریدین و محسنین اور میرے ماں باپ اور فلاں اور فلاں اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گذرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے سب کو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۳ ۲۴/ جمادی الاولیٰ شریف ۱۳۳۸ھ

کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا کہ خضاب کالگانا جائز ہے یانہیں۔بعض علماء جواز کافتویٰ دیتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب سرخ یازرد خضاب اچھاہےاورزرد بہتراور سیاہ خضاب کوحدیث میں فرمایا کافر کا خضاب ہے۔دوسری حدیث میں ہےاللہ تعالیٰ روزقیامت اس کامنہ کالا کرے گا۔یہ حرام ہے جواز کافتویٰ باطل ومردود ہے۔ہمارا مفصل فتویٰ اس بارے مدت کاشائع ہوچکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۴ ۳۰/ جمادی الاولیٰ شریف ۱۳۳۸ھ

رہبران دین ومفتیان شرع متین کیافرماتے ہیں کہ ذبیحہ رافضی ووہابی اورقادیانی کا جائز ہے یانہیں جب کہ **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کرذبح کرے؟اورکافراہل کتاب عیسائی یہودی کے ذبیحہ کا کیاحکم ہے جب کہ وہ **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کرذبح کریں؟اور مسلمان عورت بھی ذبح کرسکتی ہے یانہیں جب کہ کوئی مردمکان میں نہ ہو؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب عورت کاذبیحہ جائز ہے جب کہ ذبح صحیح طورپرکرسکے۔یہودی کاذبیحہ حلال ہے جب کہ نام الٰہی عزوجلالہ لے کر ذبح کرے۔یونہی اگرکوئی واقعی نصرانی ہونہ نیچری دہریہ جیسے آج کل کے عام نصاریٰ ہیں۔کہ نیچری کلمہ گومدعی اسلام کاذبیحہ تو مردار ہے نہ کہ مدعی نصرانیت کا رافضی تبرائی،وہابی دیوبندی،وہابی غیرمقلد،قادیانی،چکڑالوی،نیچری،ان سب کے ذبیحے محض نجس ومردار حرام قطعی ہیں۔اگرچہ لاکھ بارنام الٰہی لیں اورکیسے ہی متقی پرہیزگار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں۔ولاذبیحۃ لمرتد۔ہاں غیرتبرائی یعنی تفضیلیہ کاذبیحہ حلال ہے جب کہ ضروریات دین سے نہ کسی شے کاخودمنکرہونہ اس کے منکررافضی وغیرہ کومسلمان جانتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۵ ۲۵/ جمادی الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص رامپوری نے کمترین سے کہا کہ تم اعلیٰ حضرت سے دریافت کرنا کہ میں نہ علماء کی زبانی سنا ہے کہ کافر کتابی سے نکاح جائز ہے اور رافضی تبرائی، قادیانی سے حرام بلکہ خالص زنا ہے۔ تو کیا رافضی، وہابی، قادیانی کافر کتابی سے بدتر ہیں؟ رافضی تو خلفائے کرام کو تبرا کہہ کر اور وہابی توہین۔ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قادیانی دعویٰ نبوت سے کافر ہوئے۔ لیکن کلمہ گو اور باقی افعال مثل نماز روزہ وغیرہ تو مسلمانوں کی طرح ہیں لیکن کافر کتابی تو سرے سے نہ حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں نہ نماز روزہ اور سب ضروریات دین کے منکر ہیں۔ اگر رافضی، وہابی، قادیانی سے نکاح ناجائز ہے تو کافر کتابی سے بدرجہ اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر مرد مسلمان ہو تو اس گمان پر رافضیہ، وہابیہ، قادیانیہ سے نکاح کرے کہ یہ میری محکوم رہے گی۔ میں سمجھا کر جس طرح ہوسکے گا مسلمان کرلوں گا تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر مسئلہ ۳۳ کو دیکھتے اس کا جواب واضح ہو جاتا۔ احکام دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے خبیث تر مرتد منافق۔ رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی کہ کلمہ پڑھتے، اپنے آپ کو مسلمان کہتے، نماز وغیرہ افعال اسلام بظاہر بجالاتے، بلکہ وہابی وغیرہ قرآن وحدیث کا درس دیتے لیتے اور دیوبندی کتب فقہ کے ماننے میں بھی شریک ہوئے بلکہ چشتی، نقشبندی وغیرہ بن کر پیری مریدی کرتے اور علماء ومشائخ کی نقل اتارتے اور بایں ہمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کرتے یا ضروریات دین سے کسی شے کا انکار رکھتے ہیں۔ ان کی اس کلمہ گوئی وادعائے اسلام اور افعال واقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارنے ہی نے ان کو اخبث و اضر اور ہر کافر اصلی یہودی، نصرانی، بت پرست، مجوسی سب سے بدتر کر دیا کہ یہ آکر پلٹے، دیکھ کر الٹے، واقف ہو کر اوندھے۔

قال اللہ تعالیٰ

ذلک بانهم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبهم فهم لا یفقهون٥

یہ اس کا بدلہ ہے کہ وہ ایمان لاکر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو اب ان کو اصلا سمجھ نہ رہی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفي عنه بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۴۶ ۹/رجب ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ زید چند طریقہ سے صرافی کرتا ہے۔

۱۔ روپیہ کا کل نامہ چاندی کا دیتا ہے۔

۲۔ کل نامہ گلٹی کا۔

۳۔ پورے سولہ آنے پیسے۔

۴۔ چاندی گلٹی پیسے ملے ہوئے مگر سولہ آنے دیتا ہے۔

۵۔ ہر چہار طریقہ مذکورۂ بالا میں ایک پیسہ کم۔

۶۔ اسی طریقہ سے نوٹ کا نامہ دیتا ہے۔ یا تو ہر طریقہ میں پورا نامہ، یا ہر ایک میں ایک ایک پیسہ کم۔

۷۔ اور ۱۰۰ نوٹوں کے ۹۹ روپیہ بھی فروخت کرتا ہے اور خریدنے والے خوشی سے لے جاتے ہیں۔ آیا یہ سب طریقے جائز ہیں یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب دونوں طرف نری چاندی ہو تو دو باتیں فرض ہیں۔ دونوں کانٹے کی تول ہموزن ہوں اور دونوں دست بدست اسی جلسہ میں ادا کی جائیں۔ بائع مشتری کو دے دے مشتری بائع کو۔ ان میں سے جو بات کم ہوگی حرام ہے۔ اور اگر ایک طرف روپیہ ہے اور دوسری طرف نری چاندی نہیں، گلٹ یا پیسے یا نوٹ ہیں۔ یا روپیہ سے کم چاندی باقی پیسے یا گلٹ نوٹ۔ یا ایک طرف نوٹ ہے اور دوسری طرف چاندی یا گلٹ یا پیسے یا نوٹ تو صرف ایک بات لازم ہے کہ ایک طرف کا قبضہ ہو جائے۔ اگر بیع وشرا کر لی اور نہ بائع نے مشتری کو مبیع نہ مشتری نے بائع کو ثمن تو حرام ہے اور ایک طرف کا قبضہ ہو جائے تو جائز۔ اگرچہ دوسری طرف سے ابھی نہ ہو۔ اور اس صورت میں پیسے دو پیسے خواہ زائد کی کمی یا سو کا نوٹ ایک روپیہ، یا ایک روپیہ کا سو روپیہ کو برضامندی بیچنا سب جائز ہے۔ یہ سب صورتوں کا جواب ہوگیا۔ یہ احکام بیع میں ہیں۔ اگر روپیہ یا گلٹ یا پیسے یا نوٹ قرض دیئے اور یہ ٹھہرالیا کہ ایک پیسہ زائد لیا جائے گا تو حرام قطعی اور سود ہے۔ قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع و حرم الربوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۷ ۱۵/ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا حکم ہے علمائے اہل سنت وجماعت کا کہ دیہات میں اکثر یہ رواج ہے کہ مسلمان بکرے کو ذبح کرکے چلا جاتا ہے۔ باقی گوشت پوست سب ہندو چک بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ ایسا گوشت مسلمانوں کو کھانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حرام ہے کافر کا یہ کہنا کہ یہ وہی بکرا ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا مسموع نہیں اذلا قول لہ فی الدیانات۔ ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو۔ کوئی نہ کوئی مسلمان جب سے اب تک اسے دیکھتا رہا ہو جس سے اس پر اطمینان ہے کہ یہ وہی جانور ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا تو خریداری جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۸ ۲۸/ رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ والدین کا بھی اولاد کے اوپر کچھ حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب والدین کا حق اولاد پر اتنا ہے کہ رب عزوجل نے اپنے حقوق عظیمہ کے ساتھ گنا ہے:

ان اشکرلی ولوالدیک

"حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔" واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۴۹ کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ رافضیوں کی مجلس میں مسلمانوں کو جانا اور مرثیہ سننا، ان کی نیاز کی چیز لینا، خصوصاً آٹھویں محرم کہ جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ محرم میں بعض مسلمان ہرے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے۔ ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے۔ ان کی نیاز نیاز نہیں اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی۔ کم از کم ان کے ناپاک قلتین کا پانی ضرور ہوتا ہے اور وہ حاضری سخت ملعون ہے اور اس میں شرکت موجب لعنت۔ محرم میں سیاہ اور سبز کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ خصوصاً سیاہ کہ شعار رافضیان لئام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۰ ۱۱/محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں:

۱۔ بعض اہل سنت و جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

۲۔ ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

۳۔ ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے۔

۴۔ ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے۔۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ اور چوتھی بات جہالت ہے۔ ہر مہینے میں ہر تاریخ ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۱ ۱۵/محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی سید صاحب سر پر بال اس طرح رکھیں کہ وہ کاکل یا گیسو کہے جا سکیں۔ تو ایسے بال ان سید صاحب کو بڑھانا جائز ہیں یا نہیں؟ سنا گیا ہے کہ امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے گیسو تھے جو شانوں پر لٹکتے تھے۔

الجواب شانوں تک گیسو جائز ہیں بلکہ سنت سے ثابت ہیں۔ اور شانوں سے نیچے بال کرنا عورتوں سے خاص اور مرد کو حرام ہے۔ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ تعالٰی المتشبھن بالنساء۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۲ ۲۱/محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ امامت کس کس شخص کی جائز ہے اور کس کس کی ناجائز اور مکروہ؟ اور سب سے بہتر امامت کس شخص کی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب قرأت غلط پڑھتا ہو جس سے معنی فاسد ہوں، یا وضو یا غسل صحیح نہ کرتا ہو، یا ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہو، جیسے وہابی، رافضی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہ ہم۔ ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ اور جس کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، جیسے تفضیلیہ کہ مولیٰ علی کو شیخین سے افضل بتاتے ہیں رضی اللہ عنہم یا تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ وعمرو بن عاص وابو موسیٰ اشعری ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے۔ کہ انہیں امام بنانا حرام، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ، اور جتنی پڑھی ہوں، سب کا پھیرنا واجب۔ اور انہیں کے قریب ہے فاسق معلن۔ مثلاً ڈاڑھی منڈا، یا خشخاشی رکھنے والا، یا کتروا کر حد شرع سے کم کرنے والا، یا کندھوں سے نیچے عورتوں کے سے بال رکھنے والا، خصوصاً وہ جو چوٹی گندھوائے اور اس میں موباف ڈالے، یا ریشمی کپڑا پہنے، یا مغرق ٹوپی، یا ساڑھے چار ماشہ سے زائد کی انگوٹھی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا ایک نگ کی دو انگوٹھی اگرچہ مل کر ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی ہوں یا سود خوار یا ناچ دیکھنے والا۔ ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور جو فاسق معلن نہیں، یا قرآن عظیم میں وہ غلطیاں کرتا ہے جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یا نابینا یا جاہل یا غلام یا ولد الزنا یا خوبصورت امرد یا جذامی یا برص والا جس سے لوگ کراہت ونفرت کرتے ہوں اس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے کہ پڑھنی خلاف اولیٰ اور پڑھ لیں تو حرج نہیں۔ اگر یہی قسم اخیر کے لوگ حاضرین میں سب سے زائد مسائل نماز طہارت کا علم رکھتے ہوں

تو انہیں کی امامت اولیٰ ہے۔ بخلاف ان سے پہلی دو قسم والوں سے اگرچہ عالم متبحر ہو وہی حکم کراہت رکھتا ہے مگر جہاں جمعہ یا عیدین ایک ہی جگہ ہوتے ہوں اور ان کا امام بدعتی یا فاسق معلن ہے اور دوسرا امام نہ مل سکتا ہو وہاں ان کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھ لئے جائیں۔ بخلاف قسم اول مثل دیو بندی وغیرہم، کہ نہ ان کی نماز نماز ہے نہ ان کے پیچھے نماز نماز۔ بالفرض وہی جمعہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت کے لئے نہ مل سکے تو جمعہ وعیدین کا ترک فرض ہے جمعہ کے بدلے ظہر پڑھے اور عیدین کے کچھ عوض نہیں۔ امام اسے کیا جائے جو سنی صحیح العقیدہ، صحیح الطہارت، صحیح القراۃ ہو، مسائل نماز وطہارت کا عالم غیر فاسق ہو۔ نہ اس میں کوئی ایسا جسمانی یا روحانی عیب ہو جس سے لوگوں کو تنفر ہو۔ یہی اس مسئلہ کا اجمالی جواب اور تفصیل موجب تطویل واطناب، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۳ یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیا ارشاد ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ عورت پر مرد کے اور مرد پر عورت کے کیا حق ہیں؟

الجواب مرد پر عورت کا حق نان ونفقہ دینا، رہنے کو مکان دینا، مہر وقت پر ادا کرنا، اس کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ رکھنا، اسے خلاف شرع باتوں سے بچانا۔ قال تعالیٰ:

وعاشروھن بالمعروف ''اور ان کے ساتھ اچھی گذران کرو۔''

وقال تعالیٰ:

یایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

اور عورت پر مرد کا حق امور متعلقہ زوجیت میں اللہ ورسول کے بعد تمام حقوق حتیٰ کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے۔ ان امور میں اس کے احکام کی اطاعت، اس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرض اہم ہے بے اس کے اذن کے محارم کے سوا کہیں نہیں جاسکتی اور محارم کے یہاں بھی ماں باپ کے یہاں آٹھویں دن، وہ بھی صبح سے شام تک کے لئے اور بہن بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے یہاں سال بھر بعد۔ اور شب کو کہیں نہیں جاسکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اگر میں کسی کو کسی غیر خدا کے سجدہ کا

حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" اور ایک حدیث میں ہے "اگر شوہر کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ کر اس کی ایڑیوں تک جسم بھر گیا ہو اور عورت اپنی زبان سے چاٹ کر اسے صاف کرے تو اس کا حق ادا نہ ہوگا۔" واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٥٤ ۲۹/صفر۱۳۳۹ھ

حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ننگے سر نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ جل شانہ، کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے اور نماز میں کسی طرح کی کراہت تو نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٥٥ ٦/ربیع الاول شریف۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس جانور کو ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی پہلی دفعہ میں اس کی گردن اس کے جسم سے علیحدہ ہوگئی، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی کھال اس کے سر سے کچھ لگی رہی تو کیا حکم ہے؟

الجواب دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵٦ ۱۲/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا اس مسئلہ میں کہ چنوں پر جو سوئم کی فاتحہ کے قبل کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے ان کے کھانے کو بعض شخص مکروہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قلب سیاہ ہوتا ہے آیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ان کو کیا کرنا چاہیے؟ اسی طرح فاتحہ کے کھانے کو جو عام لوگوں کی ہوتی ہے کہتے ہیں۔ ایک موضع میں ان سوئم کے پڑھے ہوئے چنوں کو مسلمان اپنا اپنا حصہ لے کر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں وہاں یہی رواج ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ لہذا ان کلمہ طیبہ کے پڑھے ہوئے چنوں کو مشرک چماروں کو دینا چاہیے یا نہیں۔

بینوا توجروا

الجواب یہ چیزیں غنی نہ لے، فقیر لے۔ اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے ان کے ملنے سے خوش ہوتا ہے، اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے۔ مشرک یا چمار کو ان کا دینا گناہ، گناہ، گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں۔ اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے نیاز اولیائے کرام طعام موت نہیں، وہ تبرک ہے۔ فقیر و غنی سب لیں جبکہ مانی ہوئی نذر بطور شرعی نہ ہو۔ شرعی نذر پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۷ ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مذبح میں گاؤکشی کرتا ہے اور ہر ایک ذبیحہ پر دو پیسے ایک ایک آنہ لیتا ہے اور وہی زید امامت بھی کرتا ہے اور گاہ گاہ اجرت ذبیحہ میں گوشت بھی لیتا ہے۔ اب علمائے دین فرمائیں کہ ذبیحہ پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کا امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور بعض شخص کہتے ہیں کہ گوشت کھانا کسی آیت حدیث سے ثبوت نہیں بعض شخص کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں گاؤ کو ذبح کرا کر اور اس کا گوشت پکوا کر اس میں اپنی انگشت مبارک تر کر کے چوس لیا ہے۔ سو یہ بھی تب کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دن کا فاقہ تھا۔ جب سے گوشت کھانا لوگوں نے اپنے مزے کی خاطر جاری کر لیا ہے اب جناب قبلہ سے امیدوار ہوں کہ اس کا پورا پورا ثبوت مع آیت وحدیث شریف کے تحریر فرما کر عطا فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ذبح پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں لانہ لیس بمعصیة ولا واجب متیعن علیه ہاں یہ ٹھہرانا کہ جسے ذبح کرتا ہوں۔ اس میں اتنا گوشت اجرت میں لوں گا یہ ناجائز ہے۔ لانہ کقفیز الطحان جو جائز ذبح پر جائز اجرت لے۔ اس کے پیچھے نماز میں اس وجہ سے کوئی حرج نہیں۔ اس کی امامت درست ہے۔ جب کہ کوئی مانع شرعی نہ رکھتا ہو۔ گوشت کھانا بلاشبہ قرآن وحدیث واجماع امت سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی فکلوا منها و اطعموا البائس الفقیر و قال اللّٰہ تعالٰی فمنها رکوبهم و منها یاکلون و قال الله تعالٰی ومالکم الاتاکلوا ممادکر اسم اللّٰہ علیه

وہ بے سروپا حکایت جو کسی نے بیان کی محض کذب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبه

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنه بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیه وسلم

مسئلہ ۵۸ ۲۷/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے شجرہ خوانی دام تزویر ہے۔ اور اس پر بہارستان مولانا جامی سے یہ عبارت نقل کرتا ہے۔

از حضرت سید بہاؤ الدین صاحب نقشبند رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند۔ کہ از حضرت شجرہ شما چیست فرمودند کہ کسے از شجرہ خوانی بجائے نرسد۔ پس خدائے عزوجل را بیگانگی می شناسیم۔ و بہمہ انبیاء و اولیاء ایمان آریم۔ و مقید سلسلہ نیستم۔" یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت جناب کا شجرہ کیا ہے جناب نے ارشاد فرمایا کہ صرف شجرہ خوانی سے کوئی کسی مقام پر نہیں پہنچتا پس ہم اللہ تعالیٰ کو بے مثلیت کے ساتھ پہچانتے ہیں اور تمام انبیاء اور اولیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی ایک سلسلہ کے ہم پابند نہیں ہیں۔

الجواب یہ قول محض باطل ہے۔ اور اس میں ہزارہا اولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی ہے۔ ساختہ ہے اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کا لفظ کہیں نہیں۔ اور پس خدائے عزوجل سے آخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے۔ بہارستان میں نہیں۔ شجرہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے۔ جس طرح حدیث کی اسنادیں امام عبدالرشید بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اولیاء و علماء و محدثین و فقہاء سب کے امام ہیں فرماتے ہیں:

لولا الاسناد لقال فی الدین من شاء ماشاء

اگر سند کا سلسلہ نہ ہوتا تو جو شخص چاہتا دین میں اپنی مرضی کی بات کرتا پھرتا۔

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں۔

اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔

دوم صالحین کا ذکر کہ موجب نزول رحمت ہے۔

سوئم نام بنام اپنے آقایان نعمت کو ایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔

چہارم جب یہ اوقات سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا۔ وہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرف الی اللہ فی لرخاء یعرفک فی الشدۃ

"آرام کی حالت میں خدا کو پہچان وہ تجھے سختی میں پہچانے گا۔"

رواہ ابو القاسم من بشران فی امالیة عن ابی ہریرۃ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم بسند حسن۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۵۹

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں مسجد کے اندر کھانا پینا جائز ہے۔یا مکروہ۔یا حرام؟ کیاوہ شخص جونفل اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں داخل ہو۔کھاپی سکتا ہے۔یانہیں؟اگرکھاپی سکتا ہےتو کیا کچھ ذکر الٰہی کرنے کے بعد۔یا داخل ہوتے ہی فوراً کھاپی سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب مسجد میں ایسا کھانا پینا کہ مسجد میں گرے۔اور مسجد آلودہ ہو۔مطلقاً حرام ہے۔معتکف ہو یا غیر معتکف اسی طرح ایسا کھانا جس سے نماز کی جگہ گھرے۔اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو غیر معتکف کومکروہ۔اور معتکف کومباح۔کہ اگر واقعی اسے اعتکاف منظور ہی تھا جب تو نیت کرتے ہی معاً کھاپی سکتا ہے۔اور اگر اعتکاف کی نیت اس لئے کی۔کہ کھانا پینا جائز ہو جائے۔تو پہلے کچھ ذکر الٰہی کرے پھر کھائے۔

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ٦٠

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ اور اس کی حیات میں اس کی چھوٹی بہن سے نکاح کیا۔ نکاح دوم جائز ہے۔ یا ناجائز؟ اور ان دونوں عورتوں سے جو اولاد ہوگی۔ وہ کیسی ہوگی؟ اور زید کا متروکہ پانے کی مستحق ہے۔ یا نہیں؟ اور یہ دونوں عورتیں مہر پانے کی مستحق ہیں۔ یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب زوجہ جب تک زوجیت یا عدت میں ہے اس کی بہن سے نکاح حرام قطعی ہے۔ قال اللہ تعالٰی وان تجمعوا بین الاختین۔ اس سے جو اولاد ہوگی۔ شرعاً اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں۔ اسے ولد حرام بمعنی ولد الزنا کہنا جائز نہیں۔ جب تک اس دوسری کو ہاتھ نہ لگایا تھا پہلی حلال تھی۔ اس وقت تک کے جماع سے جو پہلی سے ہوئی۔ ولد حلال ہے۔ اور بعد کے جماع سے جو اولاد ہو۔ بھی شرعاً اولاد حرام ہے۔ مگر ولد الزنا نہیں دونوں عورتوں کی سب اولادیں کہ زید سے ہوئیں۔ زید کا ترکہ پائیں گی۔ کہ نسب ثابت ہے۔ ہاں زوجہ ثانیہ ترکہ نہ پائے گی۔ نکاح فاسد ہے۔ دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں۔ پہلی مطلقاً اور دوسری اس صورت میں کہ حقیقتاً اس سے جماع کیا ہو۔ فقط خلوت کافی نہیں پھر بھی اپنا پورا مہر پائے گی۔ اور دوسری مہر مثل اور جو مہر بندھا تھا۔ ان دونوں میں سے جو کم ہو وہ پائے گی۔ درمختار میں ہے:

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود و مثلہ تزوج الاختین معا و نکاح الاخت فی عدۃ الاخت اہ ش بالوطء لا بغیرہ کالخلوط ولم یزدمھر المثل علی المسمی لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل

"واجب ہوگا مہر مثلی نکاح فاسد میں یعنی وہ نکاح جس میں شرائط صحت نکاح میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے مثلاً گواہ اور اسی طرح ہے دو بہنوں کا اکٹھا نکاح اور ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن کا نکاح اش مذکورہ بالا صورت میں مہر وطئی کرنے سے واجب ہوگا وطئی کے بغیر خلوت وغیرہ سے مہر لازم نہیں ہوگا اور مہر مثل مہر مسمی پر زائد بھی نہ ہو کیونکہ کمی پر عورت راضی ہو چکی ہے اور اگر یہ مہر مسمی سے کم ہو تو مہر مثلی لازم ہوگا۔" ہدایہ باب النکاح الرقیق میں ہے:

بعض المقاصد فی النکاح الفاسد حاصل کالنسب و وجوب المھر و العدۃ

"بعض مقاصد نکاح فاسد میں حاصل ہیں جیسے ثبوت نسب اور وجوب مہر اور عدت۔"

درمختار میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا و اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اعلم

"آدمی مستحق وراثت صحیح نکاح سے ہی ہوگا پس نکاح فاسد اور باطل سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہو سکتا اجماعاً۔"

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم